دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

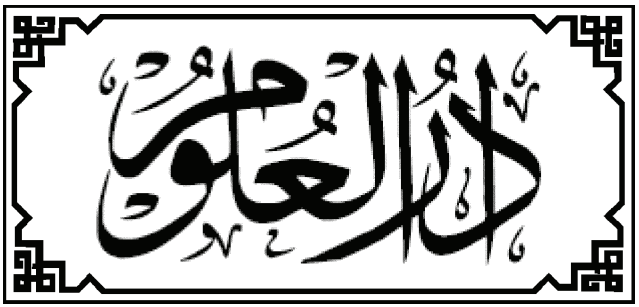

جلد: ۹۷	محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق نومبر ۲۰۱۳ء	شمارہ: ۱۱

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ-/۱۵روپے، سالانہ-/۱۵۰روپے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۱۰۰روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ-/۵۰۰روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم-/۵۰۰روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	ہندوستان میں تدریسِ حدیث۔ فنی اور تاریخی نقطۂ نظر سے	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۶
۳	خانوادۂ صدیقی کے چشم و چراغ اور مشہور محدث وفقیہ قاسم بن محمدؒ۔ حیات و آثار	مفتی ابوالخیر عارف محمود	۱۹
۴	حفاظتِ وقت اور ہمارا معاشرہ	میر زاہد مکھیالوی	۲۶
۵	تصوّف اور مستشرقین	ڈاکٹر ابوعدنان سہیل	۳۳
۶	اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے	مولانا عبدالباسط قاسمی	۴۱

ختم خریداری کی اطلاع

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ● چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- ● پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ● ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

کوئی باخبر انصاف پسند اس سچائی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلام اپنے ابتدائے قیام سے یہود ونصاریٰ کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوتا رہا ہے، ان دونوں قوموں نے کبھی بھی سیر چشمی کے ساتھ مسلمانوں کے حقِ زندگی کو گوارا نہیں کیا ہے۔ انھوں نے اپنی اسی معاندانہ خصلت کی بنا پر جبر و تشدد اور دہشت گردیوں کے ذریعہ ہمیشہ مسلمانوں سے ان کے زندہ رہنے کا حق چھیننا چاہا اور اپنی وحشیانہ خونریزیوں سے ان کے نام ونشان کو کارگاہِ حیات سے مٹا دینے کی کوششیں کیں، کبھی داعیِ اسلام، محسنِ انسانیت اور پیغمبرِ اعظم ﷺ کی پاکیزہ ومثالی زندگی کو تنقیص وتوہین کا نشانہ بنایا، تو کبھی تحقیق اور ریسرچ کے پرفریب عنوان سے اسلام کے اصل سرچشموں یعنی کتاب الٰہی کی حقانیت اور حدیث نبوی (علی صاحبہا الفُ الفِ تحیہ) کی صداقت پر تشکیک وانکار کے تیر ونشتر چلائے، کبھی اسلامی تاریخ کا حلیہ بگاڑنے کی مہم برپا کی، تو کبھی اسلام کی ہدایت آفریں تعلیمات کی تضحیک وتشنیع کا غیر مہذب منصوبہ بروئے کار لایا گیا؛ غرضیکہ اسلام اور اس کا کلمہ پڑھنے والوں کے دائرۂ اثر ونفوذ کو تنگ سے تنگ تر بنا دینے ہی کے لیے نہیں؛ بلکہ ان کے زندہ رہنے کے حق پر شب خون مارنے کے لیے کسی بھی تدبیر، حیلہ، مکر، فریب، سازش، افترا پردازی اور دہشت گردی سے گریز نہیں کیا گیا، جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے، اور اسلام دشمنی کی اس جاری مہم کی زمامِ قیادت آجکل امریکہ کے ہاتھوں میں ہے، جسے اسرائیل، یورپ اور اقوامِ متحدہ کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔ ان اسلام دشمن طاقتوں نے مسلم ممالک میں جو اتھل پتھل مچا رکھی ہے، وہ ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

ایک طرف مسلم ممالک کی تاراجی اور مسلمانوں کی خوں ریزی کا وحشیانہ سلسلہ جاری ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کے عقیدہ اور انھیں فکری طور پر انتشار وہیجان میں مبتلا کرنے کی غرض سے قرآنِ حکیم کی آیات میں چھیڑ چھاڑ کر کے نعوذ باللہ قرآن کا جدید ایڈیشن شائع کرا کر مسلم آبادیوں

میں پھیلایا جارہا ہے۔ انکارِ حدیث کی قدیم فرسودہ مہم کو ازسرِنو زندہ کیا جارہا ہے، پیغمبرِ اسلام ﷺ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی غرض سے ویڈیو فلمیں تیار کرائی جارہی ہیں، اسلامی تعلیمات واحکام کا مذاق اڑانے کے لیے عورتوں سے نماز کی امامت کرائی جارہی ہے۔ اسی کے ساتھ مستشرقین و مستغربین کی ایک فوج ہے، جس پر سالانہ اربوں ڈالر خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے دل و دماغ سے اسلامی تعلیمات کی وقعت واہمیت کو ختم کرنے اور انھیں دین ومذہب سے بیزار کرنے کے لیے علم وتحقیق کے نام سے اسلامی احکام وعقاید میں شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں، یہ لوگ اپنے پُرفریب دعووں کے ذریعہ عالمِ اسلام کو یہ باور کرانے کی سعی کرتے ہیں کہ اسلام کی چودہ سو سالہ قدیم تعلیمات عصرِ حاضر کی تہذیب وتمدن کا ساتھ دینے سے قاصر ہے؛ لہٰذا وقت کے تقاضا کے مطابق اسلام کی تشکیلِ جدید، اور قرآن وسنت نیز فقہ اسلامی کی ازسرِنو تفسیر وتشریح کی جانی چاہیے، یورپ وامریکہ کی تیار کردہ یہ فوج دینِ اسلام کی اصل صورت اور اس کے خوب تر قالب کو مسخ کرنے کے لیے اجتہادِ مطلق کا نعرہ بلند کرتی ہے، اس کے نزدیک اس اجتہادِ مطلق کا حق ہر اس شخص کو حاصل ہے جو کسی بھی زبان میں قرآنِ حکیم اور حدیثِ رسول ﷺ کے تراجم پڑھ لینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ افسوس اور حیرت تو اس پر ہے کہ بعض مسلم تنظیمیں اپنی ناسمجھی سے ان اسلام مخالف طاقتوں کا آلۂ کار بنی ہوئی ہیں اور آثار واسلاف کے حوالہ سے مسلمانوں میں مزید انتشار پھیلا رہی ہیں، یالَلعجب!

یہ مستشرقین اور ان کے تربیت یافتہ مستغربین تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، سیرت، تاریخ وغیرہا اسلامی علوم وفنون میں سلفِ صالحین، فقہائے مجتہدین، اکابر محدثین اور علمائے دین کی اب تک کی گراں قدر خدمات اور بے مثال علمی ودینی کارناموں کو اپنے خودساختہ اصولوں؛ بلکہ واضح لفظوں میں دجل وفریب کے تحت تنقید وتنقیص کا نشانہ بناتے رہتے ہیں اور اپنے اس غیرمعقول رویہ سے اسلامی دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے علما کی یہ علمی کاوشیں بحث وتحقیق کے معیار پر پوری نہیں اترتیں؛ اس لیے یہ کسی درجہ میں بھی لائقِ اعتنا نہیں ہیں، اپنے اس پرفریب حربہ کے ذریعہ وہ سلفِ صالحین وعلمائے دین سے امتِ مسلمہ کے رشتہ کو کاٹ دینا چاہتے ہیں؛ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس رشتہ کے ٹوٹ جانے کے بعد ان کے دینی رخ اور سَمتِ سفر کو سہولت کے ساتھ بدلا جاسکتا ہے۔ ان کی اس تلبیسی مہم کو الیکٹرانک میڈیا کی ہمہ گیر شرکت حاصل ہے جس کی وجہ سے اس کے مسموم اثرات سے دنیا کا کوئی خطہ محفوظ نہیں ہے۔

ان تفصیلات اور بین الاقوامی حالات وواقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور قوم مسلم کو ہر چہار جانب سے نرغے میں لینے کا عمل منظّم طور پر پوری قوت سے جاری ہے۔ ظاہر ہے یہ

جارحانہ یورش حکومتی پیمانہ پر ہورہی ہے تو اس کا مقابلہ بھی حکومت کے پیمانہ پر ہی کیا جاسکتا ہے؛ لیکن مسلم ممالک اور ان کی حکومتوں کا اس وقت جو حال ہے، وہ سب پر عیاں ہے، ان ملکوں میں سے ایک اچھی خاصی تعداد کو قدرت نے اپنی فیاضیوں سے اس قدر نوازا تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ اسلام کے دفاع کی طاقت وقوت فراہم کرسکتے تھے؛ مگر افسوس کہ انھوں نے عیش کوشیوں اور خرمستیوں میں اپنا سب کچھ گنوادیا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ وہ خود اپنی بقاوتحفظ کے لیے غیروں کا سہارا ڈھونڈھنے میں لگے ہوئے ہیں؛ اس لیے بجا طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عصرِ حاضر میں اسلام اور اس کے علم بردار ایک ایسے سنگین بحران میں مبتلا ہیں جو اپنی مثال آپ ہے۔

ایسے ہمہ گیر بحرانی حالات میں بظاہر یہی ایک راہِ نجات ہے کہ عام مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کے لیے خود اہلِ ایمان اپنے اپنے طور پر کوشش کریں، بطورِ خاص علمائے دین عامۃ المسلمین سے اپنے روابط بڑھائیں، مسلم بستیوں میں جاجا کر انھیں ایمان واسلام کی عظمت و حرمت سے آشنا بنائیں، اپنے کردار وعمل اور وعظ وتذکیر سے ان کے اندر دین کی سچی لگن پیدا کردیں اور انھیں اسلام کا ایسا گرویدہ بنادیں کہ سخت سے سخت حالات میں بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ اگر مسلمان واقعی معنوں میں مسلمان بن جائے تو انشاء اللہ غارتگرانِ اسلام کی ساری سازشیں ناکام ہوجائیں گی۔ ملک ودولت تو ایک آنی جانی چیز ہے، ہمارا اصل سرمایہ تو ایمان واسلام ہے۔ شاید علامہ اقبال نے ایسے ہی موقع کے لیے یہ شعر کہا تھا۔

اگر ملک جاتا ہے ہاتھوں سے جائے
تو فرمانِ حق سے نہ کر بیوفائی

ہمیں ہماری طاقت وقوت کے مطابق مکلّف بنایا گیا ہے اور بحالتِ موجودہ بلاشبہ ہمارے اندر اس کی قدرت ہے کہ ہم مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کی جدوجہد کریں؛ اس لیے حالات کا شکوہ اور اس پر آنسو بہانے کے بجائے ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق جدوجہد کرنی چاہیے، اگر پوری استقامت کے ساتھ ہم نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور عام مسلمانوں کے اندر اسلام و ایمان کی سچی وابستگی پیدا کردی تو ربِّ کائنات آگے کی راہیں خود کھول دیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے: ”وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا“۔ ہادیِ عالم ﷺ نے اپنے عمل سے کام کی ترتیب یہی بتائی ہے، مکہ کی تیرہ سالہ سنتِ نبوی علی صاحبہا الفُ الفِ تحیہ ہمارے لیے نمونۂ عمل ہے۔

جوانو! یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہوجائیں جو ہو عزمِ سفر پیدا

ہندوستان میں تدریسِ حدیث- فنی اور تاریخی نقطۂ نظر سے

از: مولانا اختر امام عادل قاسمی
مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور

ہندوستان علماء ومحدثین کی سرزمین ہے، ہر دور میں یہاں ایسی شخصیتیں موجود رہی ہیں، جن کے نفوسِ قدسیہ سے چمنستانِ علم کی بہار قائم رہی ہے، اس سلسلے کی سب سے اولین شخصیت جن کا ذکر نہ صرف برکت کے لیے ضروری ہے؛ بلکہ ایک تاریخی حقیقت کا اظہار بھی ہے، اور جو نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ ساری دنیائے علم کے لیے باعثِ افتخار ہیں۔

ہندوستان میں تدریسِ حدیث کی اولین شخصیت

میری مراد اس سے حضرت ابوحفص ربیع بن صبیح السعدی البصریؒ (۱۶۰ھ) کی شخصیت ہے، یہ تبعِ تابعین اور بلند پایہ محدثین میں گذرے ہیں، صدوق، عابد اور مجاہد تھے، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ (اَوَّلُ مَنْ صَنَّفَ فِي الْإِسْلَامِ) اسلام میں پہلی کتاب آپ نے ہی تصنیف کی، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاءؒ کے شاگردوں میں ہیں، اور آپ کے تلامذہ میں حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت وکیعؒ بن الجراح اور ابن مہدیؒ، جیسے بلند پایہ محدثین شامل ہیں، صاحب المغنی کا بیان ہے کہ ان کا انتقال سندھ میں ہوا، اور اسی مناسبت سے ان کو علماء ہند میں شمار کیا جاتا ہے، یہ خلفاء عباسیہ کا دور تھا، اور سندھ کا علاقہ اولین عہد اسلامی میں ہی فتح ہو چکا تھا، اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں محمد بن قاسم الثقفیؒ نے ۹۲ھ میں سندھ کو فتح کیا، اور ۹۵ھ میں اس کی فوجیں حدود سندھ سے نکل کر اقصائے قنوج تک پہونچ گئی تھیں، غالباً اسی ضمن میں یا دعوت وتبلیغ کی غرض سے حضرت ابوحفص ربیعؒ سندھ تشریف لائے، اور بالآخر یہ امانت اسی خاک کی آغوش

میں مدفون ہوئی ،(ابجد العلوم الوشی المرقوم فی بیان احوال العلوم ،محمد صدیق حسن خان القنوجیؒ (م ۱۳۰۷ھ) ج ۳ ص ۲۱۵، ج ا ص ۳۴۴ ط دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۷۸ء ،ہدیۃ العارفین لاسماعیل بن محمد امین بن میر سلیم الیابانی البغدادیؒ (م ۱۳۹۹ھ) ج ا ص ۱۹۱)

ہندوستان کے لیے قابلِ فخر ہے کہ یہ سرزمین حضرت ابوحفص ربیعؒ جیسی عظیم ہستی کی دینی، علمی اور دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنی ،اور ان کی برکت سے ہندوستان میں حدیث اور روایت حدیث کا بول بالا ہوا ،اور ہندوستان علماء ومحدثین کا گہوارہ بن گیا ،درس حدیث کی نہ معلوم کتنی درس گاہیں قائم ہوئیں ،اور یہ سلسلہ چلتا ہوا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور پھر دارالعلوم دیوبند تک پہونچا ،علم وفن کی نئی نئی جہتیں دریافت ہوئیں ،اور یہ قافلۂ قدس آج بھی رواں دواں ہے ،اور اپنے عہد کے لحاظ سے اس کی اہمیت آج بھی اسی طرح قائم ہے جیسے کہ (کیف وکم کے فرق کے ساتھ) قرونِ وسطیٰ میں تھی۔

تدریسِ حدیث کے تین طریقے

❁ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جو ہندوستان میں علمِ حدیث کی نشر واشاعت کے اولین معماروں میں ہیں ،انفاس العارفین میں تحریر فرماتے ہیں:

''باید دانست کہ درسِ حدیث را نزدیکِ علماء حرمین سہ طریق است ،یکے طریق سرد کہ شیخ یا قاری وے تلاوتِ کتاب کند ،بے تعرض مباحث لغویہ وفقہیہ واسماء رجال وغیر آن ودیگر طریق بحث وحل کہ بعد تلاوت یک حدیث بر حفظ غریب وترکیب عویص ورسم قلیل الوقوع از اسماء اسناد وسُوالِ ظاہر الورود ومسئلۂ منصوص علیہا توقف کند وآں را بہ کلام متوسط حل نماید وآنگاہ پیش رود وعلیٰ ہذا القیاس ،وسویم طریقۂ امعان وتعمق کہ بر ہر کلمہ مالہا وما علیہا وما یتعلق بہا بسیار ذکر کند ،مثلاً در کلمۂ غریبہ وترکیب عویص ،شواہد آن از کلام شعراء واخوات کلمہ در اشتقاق ومحال استعمال وے ذکر کند ودر اسماء رجال احوال ایں قوم وسیرت ایشاں بیان نماید ومسائل فقہیہ را بر آں مسئلۂ منصوص علیہا تخریج نماید وبادنیٰ مناسبت قصص عجیبہ وحکایات غریبہ بگوید (ص ۱۸۷)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ علماء حرمین کے یہاں حدیث پڑھانے کے تین طریقے ہیں، ایک طریقہ سرد کہلاتا ہے ،یعنی استاذ یا طالب علم کتاب کو روایتاً پڑھتا چلا جائے ،اور اس میں لغوی، فقہی یا فنی مباحث سے تعرض نہ کرے، ❁ دوسرا طریقہ بحث وحل کا ہے ،یعنی کسی حدیث کی

تلاوت کے بعد جوضروری مباحث ہیں، مثلاً کوئی اجنبی یا نادر لفظ یا مشکل ترکیب ہے، یا سند میں کسی غیر معروف راوی کا نام آ گیا، یا کوئی کھلا اعتراض مضمون حدیث پر وارد ہوتا ہے، یا جن مسائل کا حدیث میں صراحتاً ذکر آیا ہے، ان پر استاذ تھوڑی دیر ٹھہر کر اوسط درجہ کی گفتگو کرے، اور ان کو حل کر کے آگے بڑھے، ❁ تیسرے طریقۂ درس کا نام امعان وتعمق ہے، یعنی حدیث کے ہر ہر لفظ کی تمام تفصیلات زیر بحث لائی جائیں، مثلاً کسی اجنبی لفظ یا مشکل ترکیب کے لیے شعراء کے کلام سے شواہد پیش کیے جائیں، اس کے مترادفات، مصادر اشتقاق، اور مواقع استعمال پر تفصیلی گفتگو کی جائے، اسی طرح ایک ایک راوی کے حالات پورے شرح وبسط کے ساتھ پیش کیے جائیں، کسی مسئلۂ فقہی کا ذکر حدیث میں آیا ہو تو اس پر قیاس کر کے کچھ اور مسائلِ فقہیہ کی تخریج کی جائے اور ذرا ذرا سی مناسبت سے واقعات وقصص کا انبار لگا دیا جائے''

شاہ صاحبؒ کے نزدیک پہلا طریقہ منتہیوں کے لیے ہے، اور دوسرا طریقہ مبتدیوں اور متوسط الاستعداد طلبہ کے لیے مفید ہے، جن کو ابھی مضامین حدیث سے پوری واقفیت نہ ہوئی ہو اور تیسرے طریقہ کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ:

''طریقۂ قصاص است، کہ قصد ازاں اظہارِ فضیلت وعلم است، یا غیر آں، واللہ اعلم نہ روایت وتحصیل علم (حوالۂ بالا)

ترجمہ: یہ واعظوں اور قصہ خوانوں کا طریقہ ہے، اس کا مقصد محض اپنے علم وفضل کا اظہار ہے، یا اس کے سوا کوئی اور غرض، یہ روایت حدیث اور تحصیل علم کا طریقہ نہیں ہے واللہ اعلم۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک رجال کی فنی بحثیں، فقہی تشقیقات، مذاہبِ فقہیہ کی تطبیقات اور روایات کی ترجیح وتطبیق وغیرہ تیسرے طریقۂ درس (طریقۂ امعان وتعمق) میں داخل ہیں، اور یہ طریقہ عہدِ سلف میں رائج نہیں تھا (حوالہ بالا)۔

میرا ناقص خیال یہ ہے کہ یہ تیسرا طریقہ جس کا رواج شاہ صاحبؒ نے اپنے دور کے بعض علماء حرمین کے یہاں دیکھا تھا، یہ متخصصین کے لیے مفید ہوسکتا ہے، تعلیمی نظام میں تبدیلیوں کے ساتھ جب صلاحیتیں بھی کمزور ہونے لگیں اور علم ومعنی میں تعمق کے بجائے سطحیت اور مادیت کا رجحان بڑھنے لگا تو حقائقِ دین کے تحفظ کے لیے کم از کم ایک ایسی جماعت کی تیاری پر توجہ دی گئی جو اپنی صلاحیتیں علم وفن کی گہرائیوں تک پہونچنے میں خرچ کریں، اور جن کی زندگی کا نصب العین ہی حقائق واسرار کے لعل وگہر چننا ہو۔

ہندوستان کا قدیم نصابِ حدیث

اسلامی ہندوستان کے قدیم نصابِ تعلیم میں حدیث کے نام پر عموماً صرف تین کتابوں کا باقاعدہ درس ہوتا تھا، اور اکثر مباحث حدیث انہی کتابوں کے ضمن میں پڑھادیے جاتے تھے، مشارق الانوار للصغانیؒ، المصابیح للبغویؒ، یا مشکوٰۃ المصابیح للخطیب التبریزیؒ (م ۷۳۷ھ) انہی تین کتابوں کے ذریعہ معانی حدیث کی بحث مکمل کی جاتی تھی، اور بالعموم ان تین کتابوں کے بعد فقہی اور فنی مباحث کی ضرورت نہیں رہ جاتی تھی، اس کے بعد محض تکمیل سند کا مسئلہ رہ جاتا تھا، اس لیے باقی کتابیں سرداً پڑھائی جاتی تھیں، بعض لوگ اس کے لیے حرمین شریفین تک کا سفر کرتے تھے، اور جن کو یہ موقع نہیں ملتا تھا، وہ انہی کتابوں پر اکتفا کرلیتے تھے؛ اس لیے کہ اس کو ضرورت نہیں صرف فضیلت خیال کیا جاتا تھا۔

شاہ ولی اللہ کا طریقۂ درسِ حدیث

خود حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کئی سال کے درس وتدریس کے بعد حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں کے مشائخ بالخصوص شیخ ابوطاہرؒ سے سرداً صحاحِ ستہ کا درس لیا، بقول حضرت شاہ صاحبؒ شیخ ابوطاہرؒ کا طریقۂ درس سرداً ہی تھا، اور اس کا فائدہ یہ لکھتے ہیں کہ:

تا زود سماعِ حدیث وسلسلۂ روایت درست کنند.... باقی مباحث بر شروح حوالہ می کردند زیرا کہ ضبطِ حدیث امروز مدار آں بر تتبع شروح است (انفاس العارفین ص ۱۸۷)

ترجمہ: تاکہ سماعتِ حدیث کا کام جلد ختم ہوجائے اور سلسلۂ روایت درست ہوجائے، باقی تفصیلی مباحث شروحات کے حوالہ کردیتے تھے؛ اس لیے کہ آج کے دور میں ضبطِ حدیث کا زیادہ تر مدار شروحاتِ حدیث پر ہے۔

شاہ صاحبؒ حدیث کے فنی اور فقہی مباحث سے پہلے ہی آشنا تھے، اور برسوں انہوں نے ہندوستان میں حدیث کا درس دیا تھا؛ اس لیے ان کے لیے اصل مسئلہ فہمِ حدیث کا نہیں؛ بلکہ روایت حدیث کا تھا؛ تاکہ ان کا سلسلۂ سند درست ہوجائے، اور شاہ صاحبؒ کا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ ان کی بدولت تمام علماء ہند کا سلسلۂ سند درست ہوا۔

اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، محدثین کے یہاں قبل سے ہی اخذِ حدیث کی آٹھ صورتوں میں

سے ایک صورت مناوَلہ کی رہی ہے، یعنی شیخ کسی عالم کی صلاحیت وقابلیت پر اعتماد کرکے پڑھائے بغیر اپنی مسموعات (کتابیہ) کی روایت کی اجازت دے دے، اصولِ حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریسِ حدیث

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' میں دارالعلوم دیوبند کے طریقۂ درس حدیث (جو بلاشبہ ولی اللہی سلسلے ہی کی ایک اہم شاخ ہے) کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''پچھلے دنوں اخباروں میں ناواقفوں کی طرف سے جب یہ شائع کرایا گیا کہ دیوبند میں بخاری کے چالیس چالیس پچاس پچاس ورق ایک دن میں ہوجاتے ہیں، حضرت مولانا حسین احمد متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ پر الزام لگایا گیا کہ سال بھرتک وہ سیاسی مشاغل میں منہمک رہتے ہیں، اور ختمِ سال پر اسی طرح کتابوں کا عبور کرادیتے ہیں، تو درسِ حدیث کے راز سے جو ناآشنا ہیں انہوں نے تعجب کے ساتھ ان خبروں کو پڑھا؛ حالانکہ ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، حدیث کے پڑھانے کا صحیح طریقہ ہی یہ ہے، جو چیز مطالعہ اور مزاولہ سے استاد کی تعلیم کے بغیر آسکتی ہے، سچی بات تو یہی ہے کہ اس کو پڑھانے کی حاجت کیا ہے؟ (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ص ۳۵۲ ط مکتبہ الحق بمبئی، مئی ۲۰۰۷ء)

یعنی یہ چیز قابلِ طعن نہیں، قابلِ تقلید ہے، تحصیلِ حاصل بہرحال ایک لغو کام ہے، اسی طرح خوامخواہ کا اظہارِ علم بھی علامتِ کبر ہے جو منصبِ حدیث کے شایان نہیں ہے، نیز اس سے طلبہ کا ذوقِ تخلیق اور جذبۂ تحقیق کمزور پڑجاتا ہے، دل ودماغ کی صلاحیتیں مردہ ہونے لگتی ہیں، جس کی وجہ سے عبقری صلاحیت کے علماء پیدا نہیں ہوسکتے۔

قدیم طریقۂ تعلیم کے نتائج

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، فقیہ العصر حضرت مولانا رشید گنگوہیؒ جیسے علماء اور محدثین اسی قدیم نصابِ حدیث کی پیداوار ہیں، جن میں مشارق اور مشکوۃ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، باقی تمام کتابیں حسب موقع سرداً پڑھادی جاتی

تھیں، بعد کے ادوار میں ان جیسے عبقری علماء پیدا نہیں ہوئے، یہ اکابر مرکزِ ولی اللہی سے پھر بھی قریب تھے اور اس سے استفادہ بھی کیا تھا؛ لیکن مرکز شاہ ولی اللہؒ سے بہت دور بہار کی سرزمین سے پیدا ہونے والے علامہ شوق احسن نیمویؒ (صاحب آثار السنن) نے درسِ نظامیہ والی حدیث سے زیادہ اور کوئی چیز اس فن میں استاذوں سے نہیں پڑھی؛ لیکن فنِ رجال اور تنقید احادیث میں ان کا جو پایہ تھا، ایک زمانے نے اس کا اعتراف کیا۔

علامہ شوقؒ نیموی

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ علامہ شوق نیمویؒ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''آپ کا اسم گرامی مولانا ظہیر احسن اور تخلص شوقؔ تھا، حدیث خصوصاً نقدِ رجال میں ان کا جو پایہ تھا اس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ ان کی دقتِ نظر کے مداحوں میں تھے، آپ ''نیمی'' بہار میں پیدا ہوئے، اور مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ سے درسِ نظامیہ کی تکمیل کرکے پٹنہ میں مطب کے ساتھ ساتھ تالیف وتصنیف کا کاروبار شروع کیا، آثار السنن کے چند ابتدائی حصے ملک میں شائع ہوئے کہ سارے ہندوستان میں دھوم مچ گئی؛ لیکن افسوس عمر کم پائی، کتاب ناتمام رہی، پھر بھی جتنا حصہ شائع ہوچکا ہے، حنفی مدارس میں بعضوں نے اس کو نصاب کا جزو قرار دیا ہے، یہ کتاب حنفی مکتبِ خیال کی تائید میں محدثانہ اصول پر مرتب کی گئی ہے، علامہ تھانویؒ نے اس کا تکملہ بھی کرایا ہے، مولانا شوقؒ اردو زبان کے بڑے نامور شعراء میں تھے، جلالؔ لکھنویؒ سے زبان کے مسئلے میں تحریری مناظرہ بھی کیا تھا، جس میں مولانا ہی کی جیت ہوئی تھی، ایک بڑی دردناک مثنوی اردو میں لکھی ہے، اور بھی بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، حاشیہ ص ۳۵۳)

قدیم بہار کی علمی سربلندی

مجھے اس مناسبت سے اس قدیم ہندوستان کی علمی سربلندی کا تذکرہ کرنے کا جی چاہتا ہے جس میں بہار ایک مرکزِ علم کی حیثیت سے معروف تھا، اور پورے ہندوستان کے لیے سرمایۂ افتخار تھا، مولانا گیلانیؒ نے مولانا غلام علی آزاد بلگرامیؒ کی مآثر الکرام اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اخبار الاخیار کے حوالوں سے لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے دودمانِ عالی کے مشہور بزرگ شیخ

عبدالعزیز شکر بارؒ کے دادا شیخ طاہرؒ نے تحصیل علم کے لیے ملتان سے بہار کا سفر کیا اور شیخ بدھ (یا بودھن) حقانیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، (اخبارالاخیار ص ۱۹۵، مآثرالکرام ص ۴۳)۔

اس سے اندازہ ہوتا کہ قدیم ہندوستان میں بہار علم کا بڑا مرکز تھا، اور دور دراز سے لوگ تحصیل علم کے لیے یہاں آتے تھے، اور خاص بات یہ تھی کہ ابتدا سے لے کر انتہائی درجات تک کی مکمل تعلیم کا یہاں معقول انتظام تھا؛ اسی لیے یہاں کے طلبہ کو تحصیل علم کے لیے بہار سے باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، ملا موہن بہاریؒ جو بعد میں شہزادہ اورنگ زیبؒ کے استاذ ہوئے آزاد بلگرامیؒ کے بقول ان کی اول سے آخر تک تعلیم بہار ہی میں ہوئی، اور یہاں ان کے علم کی شہرت ہی سے متأثر ہوکر بادشاہ شاہجہاں کی توجہ ان کی جانب ہوئی، (دیکھیے مآثرالکرام ص ۴۳)

ملا احمد سعیدؒ مفتی عساکر شاہجہانی کے بارے میں معروف ہے کہ وہ بہار کے تھے اور ان کی پوری تعلیم بہار ہی میں ہوئی تھی اپنے والد ملا سعدؒ سے تعلیم حاصل کی، (بادشاہ نامہ ج ۲) بہار کی اس علمی خودمختاری کا اعتراف حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی کیا ہے، لکھا ہے کہ:

بہار مجمع علماء بود (نظام تعلیم وتربیت ص ۴۸)

ترجمہ: بہار سربرآوردہ علماء کا مرکز تھا۔

اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں زیادہ تر علماء ومحدثین ہندوستان کے اسی قدیم نصابِ تعلیم کے پڑھے ہوئے تھے، جس میں حدیث کے نام پر وہی تین کتابیں (جن کا ذکر اوپر ہوا) پڑھائی جاتی تھیں، اس کے بعد طلبہ میں اتنی صلاحیت پیدا ہوجاتی تھی کہ وہ اپنا علمی سفر جاری رکھ سکیں، اور فضل وکمال کی بلندیوں تک پہونچیں، اکثر اہلِ کمال محض ان درسی کتابوں پر قناعت نہیں کرتے تھے۔

محدث کی شرائط

اگرچہ کہ تاریخ علوم کی کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض کوتاہ نظر علماء اس دور میں بھی ایسے تھے، صرف ہندوستان میں نہیں؛ بلکہ ہندوستان سے ترکستان تک ایسے کچھ لوگ ضرور موجود تھے، جن کے نزدیک مشارق الانوار للصغانیؒ اور مصابیح السنۃ للبغویؒ علمِ حدیث کی معراج سمجھی جاتی تھی، اور اگر کسی کی رسائی جامع الاصول لابن اثیرؒ، علوم الحدیث لابن الصلاحؒ اور التقریب

للنوویؒ تک ہوگئی تو اس کو محدث المحدثین اور بخاری العصر جیسے خطابات کا مستحق سمجھا جاتا تھا، جبکہ اہلِ حقیقت کے یہاں اتنے سے علم سے کسی کو پورا محدث نہیں مانا جاسکتا تھا، یہ طالب علمی کا درجۂ نہائی تھا نہ کہ علمِ حدیث کا، اہلِ نظر کے نزدیک ابتدائی درجے کے محدث کے لیے شرط یہ تھی کہ اس کی نگاہ مسانید وعلل، اسماء رجال، سند عالی ونازل پر ہو، اس کے علاوہ بے شمار متون حدیث اس کے حافظہ میں ہوں، صحاح ستہ، مسند امام احمد بن حنبلؒ، سنن بیہقیؒ، معجم طبرانیؒ اور اجزاء حدیث میں سے ایک ہزار اجزاء کی اس نے سماعت کی ہو، نیز کتب طبقات کا اس نے مطالعہ کیا ہو، مشائخ حدیث پر اس کی نظر ہو، ان کے حالات اور سنین وفات سے واقف ہو، یہ محدثیت کی پہلی منزل ہوتی تھی، ابھی علم کے آسماں اور بھی ہیں، یہ تھا ہندوستان کے عہدِ قدیم کا تصور علم حدیث، اور اس کے ثمرات، ان باتوں کا تذکرہ علامہ تاج الدین السبکیؒ کے حوالہ سے متعدد مصنّفین نے کیا ہے، (دیکھیے کشف الظنون لمصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی القسطنطینیؒ (م ۱۰۶۷ھ) ج ۱ ص ۶۳۵ ط بیروت، ابجد العلوم الوشی المرقوم فی بیان احوال العلوم، محمد صدیق حسن خان القنوجیؒ (م ۱۳۰۷ھ) ج ۲ ص ۲۲۷ ط دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۷۸ء، فہرس الفہارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات، لمحمد عبدالحی بن عبدالکبیر الکتانیؒ (م ۱۳۸۲ھ) ج ۱ ص ۷۵ ط دارالغرب الاسلامی بیروت، ۱۹۸۲ء)

ایک وضاحت

اس تفصیل سے اس عام تصور پر بھی زد پڑتی ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ مشارق الانوار اور مصابیح السنۃ پر حدیثی انحصار کے تصور کو سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے توڑا، جبکہ مذکورہ حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فکر بہت قدیم ہے اور اس کی تغلیط بھی بہت قدیم سے ہورہی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ کا کام یہ ہے کہ انہوں نے ان معلومات کو عام کیا اور حدیث کے مطلوبہ معیار کے لیے ہندوستان میں مفید کوششیں کیں، جو دراصل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مساعی جمیلہ کا ایک تسلسل تھا۔

مشارق الانوار - کتاب اور صاحبِ کتاب

اس موقع پر مشارق الانوار کا مختصر تعارف بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ یہ وہ کتاب ہے جو ایک طویل عرصے تک ہندوستان کے واحد سرمایۂ حدیث کی حیثیت سے نصاب تعلیم

کا حصہ رہی، اور قدیم وجدید تمام تذکروں میں اس کتاب کا نام آتا ہے؛ لیکن آج بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے اس کتاب کی زیارت کی ہو یا کتاب اور صاحبِ کتاب کے بارے میں ضروری معلومات رکھتے ہوں؛ جبکہ اہل علم کو خصوصاً تدریسِ حدیث سے وابستہ علماء کو اپنے اس قدیم سرمایۂ حدیث کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

اس کتاب کا پورا نام ''مشارق الانوار النبویۃ من صحاح الأخبار المصطفویۃ'' ہے، اور مصنف ہیں ''امام رضی الدین حسن بن محمد بن حسن بن حیدر العدوی الصغانی الحنفیؒ (م ۶۵۰ھ) یہ صحیح احادیث کا مجموعہ ہے، احادیث کی تعداد شارح مشارق سعید بن محمد بن مسعود الکازرونیؒ (م ۷۵۸ھ) کے مطابق دو ہزار دو سو چھیالیس (۲۲۴۶) ہے، کازرونی کی شرح کا نام ''المطالع المصطفویۃ'' ہے، ہر باب یا نوع کے آخر میں احادیث کی تعداد بھی ظاہر کردی ہے، مصنفؒ کے بقول اس کتاب کی تالیف میں خلیفہ المستنصر بن الظاہر بن الناصر بن المستضی کا مالی تعاون شامل رہا ہے، کتاب کا آغاز اس خطبہ سے ہوتا ہے:

الحمد للّٰہ محی الرمم و مجری القلم .....الخ

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے والا اور قلم کو چلنے کی قوت بخشنے والا ہے۔

اس کتاب میں بارہ ابواب ہیں اور ہر باب میں کئی فصلیں ہیں، آخری باب ''جوامع الأدعیۃ'' کے بارے میں ہے۔

اس کتاب کی بے شمار شروح وحواشی اور شروحات کی شروحات بڑے بڑے اہلِ علم اور فاضل مصنفین کے قلم سے لکھی گئیں، یہ دنیا کی چند ان کتابوں میں ہے جن کو سمجھنے کی بہت زیادہ کوششیں کی گئیں، اور جن کو ایک طویل عرصہ تک دنیائے اسلام کے تعلیمی اداروں میں نصابی حیثیت حاصل رہی، چند مشہور شروحات کے نام یہ ہیں۔

- تحفۃ الابرار فی شرح مشارق الانوار- علامہ اکمل الدین بابرتیؒ (م ۷۸۶ھ)
- شوارق الاسرار العلیۃ فی شرح مشارق الانوار النبویۃ- محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی الشیرازیؒ (م ۸۱۷ھ)
- المطالع المصطفویۃ- سعید بن محمد بن مسعود الکازرونیؒ (م ۷۵۸ھ)
- دقائق الآثار فی مختصر مشارق الانوار- محمد بن محمد الأسدی القدسیؒ (م ۸۰۸ھ)

❁ حاشیۃ علی المشارق- شیخ قاسم بن قطلو بغا الحنفیؒ (م ۸۷۹ھ) وغیرہ (کشف الظنون ج ۱ ص ۶۳۵)

مصنف کتاب شیخ رضی الدین الصغانی کا تعلق ماوراء النہر کے شہر ''صغان'' سے ہے، آپ کی پیدائش ۵۷۷ھ میں لاہور میں ہوئی، نسباً فاروقی ہیں، اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی اس کے بعد بغداد کا سفر کیا اور تا حیات وہیں قیام رہا، ایک زمانے تک مکہ میں بھی قیام کیا، مکہ معظّمہ، عدن اور ہندوستان کے بے شمار مشائخ حدیث سے سماعت حدیث کی، بڑے محدث، فقیہ اور ادیب تھے، کئی اہم کتابیں لکھیں، مثلاً کتاب الشوارد فی اللغات، کتاب الافتعال، مصباح الدجی، الشّمس المنیرۃ، شرح البخاری، اور لغت کی ایک کتاب العباب وغیرہ، ۶۵۰ھ میں بغداد میں انتقال کیا، حسبِ وصیت نعش مبارک مکہ معظّمہ لے جائی گئی، اس طرح ان کی وہ آرزو پوری ہوئی جو انہوں نے مشارق الانوار کے آغاز میں مکہ معظّمہ میں دفن ہونے کے تعلق سے تحریر کی ہے، اللہ پاک نے ان کی دعا سن لی اور حرم الٰہی کا جوار نصیب ہوا فرحمہٗ اللہ (ابجد العلوم للقنوجیؒ ج ۳ ص ۲۱۶)

❁ ''مشارق الانوار'' ہی کے نام سے ایک کتاب اور بھی ہے، جو بازار میں چھپی ہوئی ملتی ہے؛ مگر اس کا پورا نام ''مشارق الانوار علیٰ صحاح الآثار'' ہے، اس کے مصنف قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبیؒ المالکی (م ۵۴۴ھ) ہیں، یہ علامہ صغانیؒ سے متقدم ہیں، زبان خالص ادب عالیہ کی استعمال کی ہے، اس کتاب کا موضوع ہے مؤطا امام مالکؒ، صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ کے اجنبی اور مشکل الفاظ کی تشریح وتحقیق، اپنے موضوع کے لحاظ سے کتاب بہت مفید ہے، المکتبۃ العتیقۃ ودار التراث'' سے دو جلدوں میں چھپ گئی ہے، (دیکھیے کتاب کا سرورق)

حیرت ہے کہ ''مکتبۃ الشاملہ'' والوں نے اس کتاب کو اپنی فہرست میں شامل کیا ہے؛ مگر علامہ صغانیؒ کی ''مشارق الانوار'' کو جگہ نہیں دی ہے۔

کتب حدیث کی اقسام- عہد بہ عہد

❁ یہاں ایک بحث پر اپنی گفتگو کو ختم کروں گا کہ کتابتِ حدیث کا عمل یوں تو معلوم تاریخ کے مطابق عہدِ نبوی ہی سے جاری ہے؛ لیکن باقاعدہ تدوینِ حدیث کا عمل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے سے شروع ہوا، اور اس میں باضابطگی تیسری صدی ہجری میں آئی، اس کے بعد سے علم الحدیث پر مختلف جہتوں سے کام ہوئے، اور ہر صدی میں کوئی نہ کوئی نئی جہت سامنے آتی رہی، اس کے لیے ہم احادیث کے تحریری ذخیرے کا جائزہ لیں اور کتابوں کے صرف اقسام پر نظر ڈالیں تو

اندازہ ہوگا کہ ہر دور کے مجتہدین فی الحدیث نے کام کی کن کن جہتوں کی دریافت کی تھی، اور کتنے زاویوں سے انہوں نے احادیثِ رسول کی خدمت انجام دی تھی، مثلاً:

❁ عہدِ تابعین میں ایک صحیفۂ ہمام ابن منبہؒ کا ذکر آتا ہے، جواب مطبوعہ صورت میں ہمارے پاس موجود ہے، یہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایات کا مجموعہ ہے۔

❁ پھر عہدِ تابعین ہی میں موضوعاتی مجموعے تیار ہونے شروع ہوگئے، ان میں سنن ابن جریجؒ، ابن اسحاق کی کتاب السنن اور کتاب المغازی، امام مالکؒ کی الموطا، سفیان ثوریؒ کی کتاب التفسیر، عبداللہ ابن مبارکؒ کی کتاب الزہد والرقائق، اور الاربعین فی الجہاد، اور معمر ابن راشدؒ کا ضخیم مجموعۂ حدیث کتاب المغازی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

❁ تبعِ تابعین کے دور میں کتابوں کی اور بھی نئی قسمیں وجود میں آئیں، مثلاً مسانید، یعنی ہر صحابی کی روایات الگ الگ جمع کی جائیں، یہ قسم اگر چہ کہ پہلے سے موجود تھی اور حضرت امام ابوحنیفہؒ (جو کہ بلاشبہ تابعی تھے) کی مسانید الامام الاعظمؒ وجود میں آچکی تھی؛ مگر یہ عام نہیں تھی، اس ضمن میں مسند مسددؒ دابن مسرہدؒ، مسند اسحاق ابن راہویہؒ، مسند ابن ابی شیبہؒ، مسند ابی یعلی الموصلیؒ اور مسند امام احمد ابن حنبلؒ کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی۔

❁ دوسری قسم مصنفات کی تھی، یعنی اس میں احادیثِ مرفوعہ اور آثارِ صحابہ وتابعین دونوں جمع کردیے جائیں، اس ضمن میں مصنف عبدالرزاق ابن ہمام الصنعانیؒ اور مصنف ابن ابی شیبہؒ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

❁ سنن وصحاح کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور بعد کے ادوار میں صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ سنن وجود میں آئیں۔

❁ اسی دور میں اجزاء حدیثیہ اور فوائد کا سلسلہ شروع ہوا، یعنی ایسے رسائل جن میں کسی ایک معین موضوع کی روایات جمع کردی جائیں، اس طرح کے بے شمار مجموعے وجود میں آئے، مثلاً بقی بن مخلد القرطبیؒ کی جزء الحوض والکوثر، ابواسحاق الحربیؒ کی جزء اکرام الضیف، ابن ذاذانؒ کی جزء تقبیل الید، یہ موضوعاتی مجموعے ہیں۔

ایک راوی یا ایک سند کی روایات کے اجزاء بھی تیار ہوئے، مثلاً جزء نسخۃ وکیعؒ عن الاعمش، اور جزء اللیث بن سعدؒ وغیرہ۔

❁ قرنِ رابع میں معاجم کا سلسلہ شروع ہوا، اور طبرانی کی تینوں معاجم کو آفاقی شہرت

حاصل ہوئی:

(۱) معجم کبیر، اس میں صحابہ کی مسندات جمع کی گئی ہیں۔

(۲) معجم اوسط: اس میں اپنے شیوخ کی روایات کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔

(۳) معجم صغیر: اس میں اپنے تمام مشائخ حدیث کی صرف ایک ایک روایت ذکر کی گئی ہے۔

❁ ان کے علاوہ معجم ابن قانعؒ اور معجم البغویؒ کو بھی شہرت حاصل ہوئی۔

❁ حافظ ابونعیم کی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' اور دلائل النبوۃ قرن رابع کی مشہور تصانیف میں ہیں، اسی طرح سنن دارقطنیؒ اور صحیح ابن حبانؒ بھی اسی دور کا کارنامہ ہے۔

❁ قرن خامس میں امام حاکم نیشاپوریؒ نے مستدرک لکھی، یعنی بخاریؒ ومسلمؒ کا ان کی شرائط کی روشنی میں از سرنو جائزہ لینا، قطع نظر اس سے کہ ان کے استدراکات کا رتبہ کیا ہے؟ حاکم کی مستدرک کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی، بعد میں علامہ ذہبیؒ نے اس کی تہذیب لکھی۔

❁ اسی دور میں امام حاکمؒ کے شاگرد امام بیہقیؒ کی السنن الکبریٰ، اور ''دلائل النبوۃ'' وجود میں آئی۔

یہ تسلسل بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا، علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ کی کتاب آثار السنن، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی اعلاء السنن اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی ترجمان السنۃ، اور حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ کا اردو مجموعہ معارف الحدیث وغیرہ اسی خوبصورت تسلسل کی آخری کڑیاں ہیں، میرے مربی ومحترم حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی چندرسین پوریؒ نے آثار السنن میں کتاب الزکوٰۃ کا اضافہ کیا، (جو ابھی غیر مطبوعہ ہے) عمر نے وفا نہیں کی ورنہ وہ پوری ہی کتاب کا تکملہ لکھنا چاہتے تھے۔

آمدم برسرِ مطلب

اس پوری تفصیل کا مقصد آج کے دور میں اپنے طریقۂ درس حدیث کا جائزہ لینا ہے، کیا اس میں ان نکات کا لحاظ کیا جاتا ہے؟ کیا درجات کے فرق سے ہمارے مباحث کے درجۂ حرارت میں بھی فرق آتا ہے؟ اور ہمارے یہاں اس کے لحاظ سے تیاریاں ہوتی ہیں؟ میرے خیال میں کتابیں تبدیل ہوگئی ہیں، اور ہفتم اور دورہ کے علاوہ نیچے کے درجات میں قدیم محدثین کی کتابیں زیر درس نہیں رہیں؛ لیکن جو کتابیں بھی ہیں، نیچے سے لے کر مشکوٰۃ تک میں تمام فقہی اور فنی مباحث کی تکمیل ہوجانی چاہیے، یہ ملحوظ رکھتے ہوئے کہ کتبِ صحاح میں جن رجال کی تحقیق ہوچکی ہے، اس

پر زیادہ وقت صرف نہ کیا جائے کہ یہ تحصیلِ حاصل ہے، اور اس کو طلبہ شروحات کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں، اس کے بعد دورۂ حدیث کو سرداً پڑھایا جائے، اور اس کا اہتمام ہو کہ تمام کتابوں کی تمام روایتیں طلبہ کی نگاہ سے گذر جائیں تاکہ سلسلۂ سند درست ہو جائے۔

لیکن میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ آج حدیث کے معاملے میں ہر طرف سناٹا سا محسوس ہوتا ہے، فقہ کے بارے میں تھوڑی سی چہل پہل ابھی موجود ہے؛ اس لیے کہ زندگی میں اس کی ضرورت پڑتی ہے؛ لیکن تدریسِ حدیث میں وہ زندگی باقی نہیں رہی جو چند دہائیاں قبل ہمارا امتیاز سمجھی جاتی تھی، آج ہمارے طریقۂ تدریس میں کمی ہے یا نظامِ تعلیم میں؟ کہ اب وہ پہلوں والی بات ختم ہوتی جارہی ہے، یہ ایک سوالیہ نشان ہے جس پر ہمیں غور کرنا چاہیے، اپنے آقا ﷺ سے ہمارا رشتہ کمزور ہو رہا ہے، یا علم الحدیث پر اب کسی نئے کام کی ضرورت باقی نہیں رہی؟

کتابی سرمایے کے ماسوا رجال حدیث کا بھی قحط ہے، ہماری متمول درس گاہیں اب ایسے رجالِ کار پیدا کرنے سے قاصر ہیں، جو پچھلی درس گاہیں بے سروسامانی کے عالم میں پیدا کرتی تھیں، ہمیں اپنے اندر کا بھی احتساب کرنا ہوگا، ترتیب بھی کچھ بدلنی ہوگی، پچھلے مآخذ کی طرف رجوع کرنا ہوگا، اور ایک بار پھر علمِ حدیث کو ایک زندہ موضوع کی طرح ہمیں برتنا ہوگا، اللہ پاک ہمارا معین و مددگار ہو، آمین!

❁ ❁ ❁

خانوادۂ صدیقی کے چشم وچراغ اورمشہور محدث وفقیہ قاسم بن محمدؒ- حیات وآثار

از: مفتی ابوالخیر عارف محمود
استاذ ورفیق شعبۂ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ، کراچی

نام ونسب

آپ مشہور محدث وفقیہ قاسم بن محمد بن أبی بکر الصدیق عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ قریشی تیمی مدنیؒ ہیں۔(الطبقات الکبریٰ: ۱۸۷/۵، تہذیب الکمال: ۴۳۰/۲۳)

ابومحمد ان کی کنیت ہے، ابوعبدالرحمٰن بھی کہا جاتا ہے۔(تاریخ الاسلام: ۳۲۸/۳)

ولادت باسعادت

علامہ ذہبیؒ نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں قاسم بن محمدؒ کی ولادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہونا نقل کی ہے؛ جب کہ ''تاریخ الاسلام'' میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہونا لکھا ہے۔(سیر اعلام النبلاء: ۵۴/۵، تاریخ الاسلام: ۳۲۸/۳) دونوں میں تطبیق یوں ہے کہ ان کی پیدائش اختتام خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابتدائے خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہوئی ہوگی۔

امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ان کے والد محمد بن أبی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تقریباً ۳۶ ہجری میں شہید کیے گئے تو قاسم یتیم ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں آئے۔(تہذیب الکمال ۴۳۰/۲۳، تہذیب التہذیب: ۳۳۴/۸)

دادا جان سے مشابہت

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ان جیسا سوائے قاسم کے کسی اور کو نہیں پایا۔ (سیر أعلام النبلاء: ۵۵/۵، تہذیب الکمال: ۴۳۰/۲۳)

تحصیلِ علوم

حضرت قاسم بن محمدؒ یتیم ہوکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں آئے اور ایک طویل عرصہ ان کی صحبت میں رہے، ان سے حدیث کا علم بکثرت حاصل کیا اور دینی مسائل میں تفقہ پیدا کیا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۵۴/۵، تذکرۃ الحفاظ: ۹۷/۱، تاریخ الاسلام: ۳۲۸/۳) علامہ واقدیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت قاسمؒ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا، حضرت قاسمؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بچکانہ حرکتوں کے باوجود ان کی صحبت کو لازم پکڑا تھا اور میں علم کے سمندر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا، ان کے علاوہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بکثرت بیٹھا کرتا تھا۔ (تہذیب الکمال: ۴۳۰/۲۳، ۴۳۱، سیر اعلام النبلاء: ۵۵/۵)

شیوخِ حدیث

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا علم حضرت عائشہ، حضرت ابنِ عمر، حضرت ابنِ عباس، اپنی دادی حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت ابوہریرہ، حضرت فاطمہ بنت قیس، حضرت رافع ابن خدیج، حضرت عبداللہ بن خباب، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم، اسلم مولیٰ، عمر ابن الخطاب، صالح بن خوات بن جبیر، عبداللہ بن جعفر بن أبی طالب، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن أبی بکر الصدیق، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبد بن جاریہ کے دو بیٹوں سے حاصل کیا (رضی اللہ عنہم اجمعین) (تہذیب الکمال: ۴۲۷/۲۳، تہذیب التہذیب: ۳۳۳/۸، سیر اعلام النبلاء: ۵۴/۵، تاریخ الاسلام: ۳۲۸/۳)

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے مرسل روایت کرتے ہیں۔(سیر اعلام النبلاء: ۵۴/۵، تہذیب الکمال: ۲۳/ ۴۲۷، ۴۲۸) اپنے والد محمدؒ اور دادا ابو بکر صدیقؓ سے روایت منقطع ہے۔(سیر أعلام النبلاء: ۵۴/۵، حاشیۃ الکاشف: ۱۳۰/۲) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزام، اور ابوعثمان وغیرہ شامل ہیں۔

ائمہ کے توثیقی کلمات اور جلالتِ شان

حضرت قاسم بن محمدؒ فقہائے مدینہ میں سے تھے، امام ابونعیم اصفہانیؒ نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: قاسم بن محمد بن أبی بکر فقیہ، پرہیزگار، شفیق، متواضع صدیق کے فرزند، عمدہ حسب والے، غامض احکام کے بتلانے میں فائق اور اچھے اخلاق کی طرف سبقت کرنے والے تھے۔(حلیۃ الاولیاء: ۱۸۳/۲)

ابنِ عیینہؒ نے فرمایا کہ وہ اپنے زمانے میں سب سے افضل لوگوں میں سے تھے۔(التاریخ الکبیر: ۱۵۷/۷، الجرح والتعدیل: ۱۵۸/۷)

ابوالزنادؒ نے فرمایا: ''میں نے قاسمؒ سے بڑھ کر کسی کو سنت کا عالم نہیں پایا، اور کسی کو اس وقت تک بڑا آدمی شمار نہیں کیا جاتا؛ جب تک کہ اسے سنت کا علم نہ ہو''۔(حلیۃ الاولیاء: ۱۸۴/۲، التاریخ الکبیر: ۱۵۷/۷، تاریخ الاسلام: ۳۲۸/۳، سیر أعلام النبلاء: ۵۶/۵)

یحییٰ بن سعیدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے زمانے میں مدینہ میں کسی کو نہیں پایا کہ ہم اسے قاسم پر فضیلت دیتے۔(تاریخ الاسلام: ۳۲۸/۳، حلیۃ الاولیاء: ۱۸۴/۲، تھذیب الکمال: ۴۳۱/۲۳)

امام بخاریؒ نے علی بن مدینی سے نقل کیا ہے کہ قاسم بن محمد کی دوسو حدیثیں ہیں۔(تہذیب الکمال: ۴۳۰/۲۳، سیر أعلام النبلاء: ۵۴/۵) امام بخاریؒ نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت قاسمؒ کے بیٹے عبدالرحمٰن سے بواسطۂ سفیان حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا: "حدثنا عبد الرحمن بن القاسم وكان أفضل أهل زمانه، أنه سمع أباه وكان أفضل أهل زمانه". ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن قاسم نے اور وہ اپنے زمانے کے افضل ترین لوگوں سے تھے، انھوں نے اپنے والد قاسم سے سنا اور وہ اپنے زمانے کے افضل ترین لوگوں میں سے تھے۔(کتاب الحج، باب الطیب بعد رمی الجمار والحلق قبل الإفاضۃ، رقم: ۱۷۵۴)

ابوالزنادؒ نے فرمایا کہ اہلِ مدینہ میں سات بڑے لوگ ہیں (یعنی فقہاء) جب کسی مسئلہ میں

اختلاف ہوتا ہے تو ان میں سے کسی ایک کے قول کو لیا جاتا ہے، ان میں سے ایک قاسم ہیں۔ (تاریخ الاسلام: ۳۲۸/۳) یحییٰ بن قطانؒ نے فرمایا کہ فقہائے مدینہ دس ہیں پھر ان میں سے قاسمؒ کا نام لیا۔ (تاریخ الاسلام: ۳۲۸/۳) عبداللہ بن وھبؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے قاسم بن محمدؒ کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ وہ اس امت کے فقہاء میں سے تھے۔ (تہذیب الکمال: ۴۳۳/۲۳، تہذیب التہذیب: ۳۳۴/۸)

امام مالکؒ نے فرمایا ابنِ سیرین جب بیمار ہوئے اور حج پر نہ جا سکے تو حج پر جانے والوں سے کہتے کہ وہ قاسم بن محمد کی سیرت، لباس وغیرہ کا جائزہ لے کر آجائیں، لوگ واپس آکر ان کو قاسم بن محمدؒ کے حالات ومعمولات کے بارے میں بتلاتے تو ابن سیرینؒ، قاسمؒ کی اقتدا کیا کرتے تھے۔ (سیر أعلام النبلاء: ۵۷/۵، تہذیب الکمال: ۴۳۳/۲۳)

احمد بن عبداللہ عجلیؒ نے فرمایا: "کان من خیار التابعین و فقهائهم". ایک اور جگہ فرمایا: مدنی، تابعی، ثقة، نزه، رجل صالح". (تہذیب التہذیب: ۳۳۵/۸، سیر أعلام النبلاء: ۵۷/۵)

مصعب بن عبداللہ زبیری نے فرمایا: "القاسم بن محمد من خیار التابعین" (تہذیب الکمال: ۴۳۳/۲۳، تہذیب التہذیب ۳۳۵/۸)

تواضع اور علمی معاملات میں حزم واحتیاط

یونس بن بکیرؒ کہتے ہیں کہ ہم سے ابنِ اسحاقؒ نے بیان کیا کہ ایک اعرابی قاسم بن محمدؒ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ زیادہ علم والے ہیں یا سالمؒ؟ قاسم بن محمدؒ نے جواب میں فرمایا: سبحان اللہ! ہم میں سے ہر ایک تمہیں اپنے علم کے مطابق جواب دے گا یعنی تم جو بات معلوم کرنا چاہتے ہو اس کے بارے میں سوال کرو، اس نے پھر پوچھا کہ تمہارے میں أعلم کون ہے؟ آپ نے جواب میں کہا؟ سبحان اللہ! اس نے پھر سوال دہرایا، تو آپ نے جواب میں فرمایا: جو پوچھنا ہو سالم سے پوچھو، یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ گئے، ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ آپ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ یہ کہیں کہ میں زیادہ جاننے والا ہوں؛ کیونکہ یہ اپنی ہی تعریف وتزکیہ ہے اور یہ بھی ناپسند کیا کہ سالم کو أعلم کہیں؛ کیوں یہ غلط بیانی تھی، ابنِ اسحاق کہتے ہیں قاسم سالم سے زیادہ علم والے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۵۶/۵، حلیۃ الاولیاء: ۱۸۴/۲)

ایوبؒ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ کو قاسم سے کچھ پوچھتے ہوئے سنا، جواب میں قاسم کبھی

لاأدری اور کبھی لاأعلم فرماتے، یحییٰ نے جب اور پوچھنا شروع کیا تو فرمایا: اللہ کی قسم! جو کچھ تم ہم سے پوچھتے ہو ہم اس میں سے ہر بات کا علم نہیں رکھتے ہیں۔ (تاریخ الاسلام: ۳۲۹/۳، حلیۃ الاولیاء: ۱۸۴/۲)

حماد بن زید نے عبید اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت قاسم بن محمدؒ قرآن کی تفسیر نہیں کرتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱۸۷/۵، تاریخ الاسلام: ۳۲۹/۳)

ابوالزنادؒ کہتے ہیں کہ حضرت قاسمؒ صرف ظاہری چیزوں سے متعلق سوال کا جواب دیا کرتے تھے۔ (تاریخ الاسلام: ۳۲۹/۳، الطبقات الکبریٰ: ۱۸۷/۵) ابنِ عونؒ کہتے ہیں حضرت قاسمؒ نے کسی سوال کے جواب میں کچھ کہا اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ میری رائے ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہی حق ہے۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱۸۷/۵، تاریخ الاسلام: ۳۲۹/۳)

عمران بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ بعض لوگ تقدیر کے بارے میں بات کر رہے تھے حضرت قاسمؒ نے ان سے فرمایا کہ جس کو اللہ نے بیان نہیں کیا تم اس کے بارے میں گفتگو مت کیا کرو۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱۸۸/۵) ابنِ عمارؒ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم اور سالم کو ''قدریہ'' پر لعن کرتے ہوئے سنا۔ (تاریخ الاسلام: ۳۲۹/۳، الطبقات الکبریٰ: ۱۸۸/۵)

عبداللہ بن العلاءؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسمؒ سے گزارش کی کہ وہ مجھے کچھ احادیث کا املا لکھوائیں، تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں احادیث بہت زیادہ ہوگئیں تھیں یعنی لوگ بغیر احتیاط کے ہر بات کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنے لگے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیا کہ وہ اپنی لکھی ہوئی احادیث ان کے پاس لے کر آئیں، لوگ جب اپنی لکھی ہوئیں احادیث ان کی خدمت میں لائے تو آپ نے ان کے جلانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اہلِ کتاب کی کجی کی طرح کجی ہے، عبداللہؒ کہتے ہیں کہ قاسمؒ نے اس دن کے بعد سے مجھے حدیث لکھنے سے منع کر دیا۔ (تاریخ الاسلام: ۳۲۹/۳، سیر اعلام النبلاء: ۵۹/۵)

یحییٰ ابنِ سعیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت قاسمؒ اور ان کے ساتھی عشاء کے بعد ایک دوسرے کو حدیث سناتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ۱۸۸/۵)

عبدالرحمٰن بن ابی الموالؒ کہتے ہیں کہ قاسم بن محمدؒ صبح گھر سے مسجد تشریف لاتے اور دو رکعت نفل پڑھ کر پھر لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو لوگ آپ سے سوال کرتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱۸۹/۵، تاریخ الاسلام: ۳۲۹/۳)

وصیت اور وفات

افلح بن حمیدؒ کہتے ہیں کہ قاسمؒ نے اپنی وصیت لکھواتے ہوئے فرمایا کہ یہ قاسم بن محمدؒ کی وصیت ہے کہ وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱۹۳/۵)

سلیمان بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ قاسم بن محمدؒ نے (موت کے وقت کہا) مجھے میرے ان کپڑوں میں کفن دینا جن میں نماز پڑھا کرتا ہوں یعنی قمیص، ازار اور چادر، آپ کے بیٹے نے کہا، ابا جان آپ دو کپڑوں کو بھی پسند نہیں کرتے (یعنی نیا کفن لیا جائے) جواب میں فرمایا: بیٹے! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی اسی طرح تین کپڑوں کا کفن تھا، میت سے زیادہ زندہ آدمی نئے کپڑوں کا محتاج ہے۔ (سیر أعلام النبلاء: ۶۰/۵، الطبقات الکبریٰ: ۱۹۳/۵)

خالد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ قاسم بن محمدؒ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر کوئی تعمیر نہ کی جائے۔ (تاریخ الاسلام: ۳۳/۳، سیر أعلام النبلاء: ۶۰/۵) مزید کہتے ہیں کہ میں قاسم بن محمدؒ کے انتقال کے وقت موجود تھا وہ قُدید میں فوت ہوئے اور مشلل میں دفن ہوئے، ان دونوں جگہوں کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے، ان کے بیٹے نے چارپائی اپنے کندھے پر رکھی اور چلتے رہے، یہاں تک کہ مشلل پہنچے۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱۹۳/۵، ۱۹۴)

قاسم بن محمدؒ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، متعدد اقوال پائے جاتے ہیں؛ چنانچہ ضمرہ نے رجاء بن جمیل ایلیؒ سے نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد عبدالملک کے دور میں ۱۰۱ ہجری، یا ۱۰۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ (الثقات لابن حبان: ۳۰۲/۵، التاریخ الکبیر: ۱۵۷/۷، تہذیب الکمال: ۴۳۴/۲۳، ۴۳۵، تہذیب التہذیب: ۳۳۵/۸)

عبداللہ بن عمر وعمری سے ۱۰۵ ہجری منقول ہے۔ (التاریخ الکبیر: ۱۵۷/۷، سیر أعلام النبلاء: ۵۸/۵، تہذیب الکمال: ۴۳۵/۲۳، تہذیب التہذیب: ۳۳۵/۸) خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں کہ ۱۰۶ھ کے اواخر یا ۱۰۷ ہجری کی ابتدا میں فوت ہوئے۔ (تاریخ الاسلام: ۳۳۰/۳، تہذیب التہذیب: ۳۳۵/۸، سیر اعلام النبلاء: ۵۸/۵، تذکرۃ الحفاظ: ۹۷/۱)

یحییٰ بن معینؒ اور علی بن مدینیؒ سے بھی ۱۰۶ھ منقول ہے، حافظ ابنِ حجرؒ نے ''تقریب التہذیب'' ۱۰۶ھ کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۲۳/۲)

ہیثم بن عدیؒ اور اور یحی بن بکیرؒ سے ۱۰۷ھ مروی ہے (سیر أعلام النبلاء: ۵۸/۵ تہذیب الکمال: ۴۳۵/۲۳، تاریخ الاسلام: ۳۳۰/۳) علامہ ذہبیؒ نے ''الکاشف'' میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۱۳۰/۲)

علامہ واقدیؒ، یحی بن معینؒ، علی بن مدینیؒ، ابوعبیدؒ اور فلاسؒ سے ۱۰۸ھ کا قول مروی ہے، واقدی نے کہا کہ ۷۰ یا ۷۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا، اس وقت قاسم بن محمدؒ کی بینائی بھی چلی گئی تھی۔ (تہذیب الکمال :۲۳/ ۴۳۵، سیر أعلام النبلاء :۵/۵۸، تاریخ الاسلام :۳/۳۳۰، الطبقات لابن سعد :۵/۱۹۴)

عمر الضریر نے کہا کہ ۱۰۹ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب الکمال :۲۳/۴۳۵)

ابنِ سعدؒ سے ۱۱۲ھ منقول ہے۔ (تہذیب الکمال :۲۳/۴۳۵) سیر أعلام النبلاء :۵/۵۸، تہذیب التہذیب :۸/۳۳۵) حسن بن بترانے ابنِ مدینی سے ایک قول ۱۱۲ھ کا بھی نقل کیا ہے۔ (تہذیب الکمال :۲۳/۴۳۵، سیر أعلام النبلاء :۵/۵۸) لیکن علامہ ذہبیؒ نے ابنِ سعد کے قول کو شاذ قرار دیا ہے۔ (سیر أعلام النبلاء :۵/۵۸، تاریخ الاسلام :۳/۳۳۰) نوح بن حبیب سے ۱۱۷ھ کا قول مروی ہے۔ (تہذیب الکمال :۲۳/۴۳۵) یہ بھی شاذ ہے۔

قاسم بن محمدؒ کے چند بیش بہا اقوال

❁ اللہ کے حق کو پہچاننے کے بعد جاہل بن کر زندگی گزارنا بہتر ہے اس سے کہ وہ ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہ ہو۔ (الطبقات لابن سعد :۵/۱۸۸، تہذیب الکمال :۲۳/۴۳۳، تاریخ الاسلام :۳/۳۲۹، سیر أعلام النبلاء :۵/۵۷)

❁ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔ (الطبقات :۵/۱۸۹، سیر أعلام النبلاء :۵/۶۰، تاریخ الاسلام :۳/۳۲۹)

❁ آدمی کی اپنی عزت کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے احاطۂ علم سے باہر کوئی بات نہ کرے۔ (تہذیب الکمال :۲۳/۴۳۴، سیر أعلام النبلاء :۵/۵۷)

❁ اپنی بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! ان چیزوں کے بارے میں حلفیہ گفتگو نہ کرو جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ (الطبقات لابن سعد :۵/۱۸۹)

❁ نئے کپڑے کا میت سے زیادہ زندہ محتاج ہوتا ہے۔ (تاریخ الاسلام :۲/۳۳۰، الطبقات :۵/۱۹۳)

❁ ❁ ❁

حفاظتِ وقت اور ہمارا معاشرہ

از: میرزاہد مکھیالوی

وقت اللہ رب العزت کی ایک ایسی عام نعمت ہے، جو انسانی معاشرہ میں یکساں طور پر امیر، غریب، عالم، جاہل، صغیر، کبیر سب کو ملی ہے، وقت کی مثال تیز دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی اس سِل سے دی جاتی ہے کہ جس سے اگر فائدہ اٹھایا جائے تو بہتر ورنہ وہ تو بہر حال پگھلتی ہی جاتی ہے ـــــ اس وقت مسلم معاشرہ عام طور سے ضیاعِ وقت کی آفت کا شکار ہے، یورپی معاشرہ اپنی تمامتر خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود وقت کا قدرداں ہے اور زندگی کو باقاعدہ ایک نظام کے تحت گزارنے کا پابند بنا ہوا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ان کی ترقیوں کا ایک بڑا سبب وقت کی قدردانی ہی ہے۔

جو قومیں وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں، صحراؤں کو گلشن بنا دیتی ہیں، وہ فضاؤں پر قبضہ کرسکتی ہیں وہ عناصر کو مسخر کرسکتی ہیں، وہ پہاڑوں کے جگر پاش پاش کرسکتی ہیں، وہ زمانہ کی زمامِ قیادت سنبھال سکتی ہیں؛ لیکن جو قومیں وقت کو ضائع کر دیتی ہیں، وقت انھیں ضائع کر دیتا ہے، ایسی قومیں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، وہ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے خسارے میں رہتی ہیں۔

آج ہمارے معاشرہ میں سب سے سستی اور بے قیمت چیز اگر ہے تو وہ وقت ہے، اس کی قدر و قیمت کا ہمیں قطعاً احساس نہیں، یہی وجہ ہے کہ وقت کے لمحات کی قدر نہ کرنے سے منٹوں کا، منٹوں کی قدر نہ کرنے سے گھنٹوں کا، گھنٹوں کی قدر نہ کرنے سے ہفتوں کا، ہفتوں کی قدر نہ کرنے سے مہینوں کا، اور مہینوں کی قدر نہ کرنے سے سالوں اور عمروں کا ضائع کرنا ہمارے لیے بہت آسان بن گیا ہے۔

ہم لوگ بیٹھکوں، چوپالوں، ہوٹلوں اور نجی مجلسوں میں وقت گزاری کرتے ہیں اور ہمارا کتنا

ہی قیمتی وقت نکتہ چینی، غیبت، بہتان اور بے تحاشا سونے میں ضائع ہو جاتا ہے اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا ـــــ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ حَيَاتَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَشَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ (مستدرک حاکم ۳۰۶/۴)

ترجمہ: پانچ چیزوں کو پانچ سے قبل غنیمت سمجھو، زندگی کو مرنے سے پہلے اور صحت کو بیماری سے پہلے اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اور مالداری کو فقر سے پہلے۔

اس حدیثِ پاک میں ہر صاحبِ ایمان کے لیے یہ تعلیم ہے کہ آدمی کی فہم ودانش کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اس فانی زندگی کے اوقات واَدوار کو بہت دھیان اور توجہ کے ساتھ گزارے، زندگی کو مرنے سے پہلے غنیمت سمجھے اور اس بات کا استحضار رکھے کہ کل روزِ قیامت میں اس کی ہر ہر چیز کا حساب ہوگا، اس سے ہر چیز کے بارے میں باز پرس ہوگی اور اسے اپنے ہر ہر قول وفعل کا جواب دینا ہے، کراماً کاتبین اس کے قول وفعل کو نوٹ کر رہے ہیں، قیامت کے دن اس کے اعمال نامے کو تمام اوّلین وآخرین کے سامنے پیش کیا جائے گا، یہ وقت بڑی قیمتی دولت ہے، اس سے جو فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، وہ کرلیا جائے، آج صحت وتندستی ہے، کل نہ معلوم کس بیماری کا شکار ہونا پڑ جائے، آج زندگی ہے، کل منوں مٹی کے نیچے مدفون ہونا ہے، آج فرصت ہے کل نہ معلوم کتنی مشغولیتیں درپیش ہو جائیں۔

آج جوانی کا سنہرا دور ملا ہوا ہے، کل بڑھاپے میں نہ جانے کن احوال سے سابقہ پڑے اور کیا امراض وعوارض لگ جائیں آج صاحبِ حیثیت ہیں، کل پتہ نہیں کیا حالت ہو جائے؟ اس لیے جو کرنا ہے کرلیا جائے، جو کمانا ہے کمالیا جائے، جو فائدہ اٹھانا ہے اٹھالیا جائے ورنہ "اَلْوَقْتُ كَالسَّيْفِ اِنْ لَمْ تَقْطَعْهُ لَقَطَعَكَ"، وقت دودھاری تلوار ہے، اگر تم نے اسے نہ کاٹا، وہ تمہیں کاٹ ڈالے گی ارشادِ نبوی ہے:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ (بخاری ۹۴۹/۲، ترمذی ۵۶/۲)

ترجمہ: صحت اور فراغت دو ایسی عظیم نعمتیں ہیں، جن کے سلسلہ میں بے شمار لوگ خسارہ میں رہتے ہیں اس لیے بعد میں پچھتانے سے یہ بہتر ہے کہ انسان آج ہی قدر کرلے۔

عموماً جن صالح بندوں کے مزاج میں دین داری اور نیکی ہوتی ہے، وہ وقت کے قدردان

ہوتے ہیں اور اپنی آخرت بنانے اور دنیا سنوارنے کی فکر انھیں دامن گیر ہوتی ہے، وہ بیکاری، آوارگی لہوولعب اور فضولیات میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے، کسی کا برائی سے تذکرہ کرنے، عیب جوئی کرنے اور بہتان تراشی اور بے کار ولایعنی گفتگو کی انھیں فرصت نہیں ملتی، ان کی عملی زندگی حدیث نبوی کی عملی تصویر ہوتی ہے:

اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ (ترمذی ۲/۵۸)

ترجمہ: بیشک انسان کے اچھا مسلمان ہونے کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے کار اور فضول چیزوں کو چھوڑ دے۔

وقت کی قدر شناسی اور ہمارے اسلاف

ہمارے اسلاف و بزرگانِ دین کی تابناک سیرت اور پاکیزہ زندگی، اس سلسلہ میں بھی عمل کا داعیہ رکھنے والوں کے لیے بہترین اسوہ ہے کہ ان حضرات نے اپنی حیاتِ فانی کا سفر پوری ہوش مندی اور بیداری کے ساتھ مکمل فرمایا اور زندگی کے تمام مراحل میں وقت کے لمحات واوقات قدردانی اور انضباط کے ساتھ گزارے۔

چنانچہ امام محمد علیہ الرحمہ کے حالات میں لکھا ہے کہ دن رات کتابیں لکھتے رہتے تھے، ایک ہزار تک ان کی تعداد بیان کی جاتی ہے، اپنی تصنیف کے کمرہ میں کتابوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھے رہتے تھے، مشغولیت اس درجہ تھی کہ کھانے اور کپڑے کا بھی ہوش نہ تھا (انوارالباری)——— حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی جو مطالعہ گاہ تھی، اس کے تین دروازے تھے، ان کے والد نے تینوں دروازوں پر جوتے رکھوائے تھے؛ تاکہ اگر ضرورت کے لیے باہر جانا پڑے تو جوتے کے لیے ایک آدھا منٹ بھی ضائع نہ ہو——— شیخ جمال الدین قاسمیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر فرماتے تھے، سفر میں ہوں یا حضر میں، گھر میں ہوں یا مسجد میں مسلسل مطالعہ اور تالیف کا کام جاری رکھتے تھے۔ (اقوال سلف)

امام رازیؒ کے نزدیک اوقات کی اہمیت اس درجہ تھی کہ ان کو یہ افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت کیوں علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے؛ چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

وَاللّٰهِ إِنّي أَتَأَسَّفُ فِي الْفَوَاتِ عَنِ الْاشْتِغَالِ بِالْعِلْمِ فِيْ وَقْتِ الْأَكْلِ فَإِنَّ الْوَقْتَ وَالزَّمَانَ عَزِيْزٌ .

ترجمہ: خدا کی قسم مجھ کو کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے؛ کیونکہ وقت متاعِ عزیز ہے۔

وقت کی قدردانی نے ان کو منطق وفلسفہ کا ایسا زبردست امام بنایا کہ دنیا نے ان کی امامت تسلیم کی —— حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وقت کے بڑے قدردان تھے، ان کے اوقات معمور رہتے تھے، کسی وقت خالی نہ بیٹھتے تھے، تین مشغلوں میں سے کسی نہ کسی میں ضرور مصروف رہتے تھے، مطالعۂ کتب یا تصنیف وتالیف یا عبادت (بستان المحدثین)

جب تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہوتے اور درمیان میں قلم کا نوک خراب ہوجاتا تو اس کو درست کرنے کے لیے ایک دو منٹ کا جو وقفہ رہتا اس کو بھی ضائع نہ کرتے، ذکر الٰہی زبان پر جاری رہتا، اور نوک درست فرماتے اور فرماتے وقت کا اتنا حصہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے —— حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نہایت منتظم المزاج اور اصول وضوابط کے پابند تھے، وقت کے لمحات ضائع نہیں ہونے دیتے تھے کھانے، پینے، سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے غرض یہ کہ ہر چیز کا ایک نظام الاوقات متعین تھا اور اس پر سختی سے عمل فرماتے تھے —— حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی سوانح میں لکھتے ہیں:

''آپ کی ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وقت ضائع نہیں فرماتے، آپ کا انضباط اوقات نہایت حیرت انگیز ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشین ہے جو ہر وقت چل رہی ہے کسی وقت بیکار نہیں جو ایسا کثیر المشاغل ہو، اس کو بلا انضباطِ اوقات چارہ نہیں اور انضباط اوقات تب ہی ہوسکتا ہے، جب اخلاق ومروت سے مغلوب نہ ہو اور ہر کام اپنے وقت اور موقع پر کرلے، اوروں کو تو چھوڑیے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ جو آپ کے استاذ تھے، ایک بار مہمان ہوئے آپ نے راحت کے سب ضروری انتظامات کرکے جب تصنیف کا وقت آیا تو باادب عرض کیا کہ حضرت! میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں، اگر اجازت ہو تو کچھ دیر لکھنے کے بعد حاضر ہوجاؤں، فرمایا ضرور لکھو! میری وجہ سے اپنا حرج ہرگز نہ کرو، گو اس روز آپ کا دل لکھنے میں لگا نہیں؛ لیکن ناغہ نہ ہونے دیا؛ تاکہ بے برکتی نہ ہو، تھوڑا سا لکھ کر پھر حاضر خدمت ہوگئے۔ (اشرف السوانح ص/۳۰)

حضرت تھانویؒ خود فرمایا کرتے تھے: ''آج ہم لوگ وقت کی قدر نہیں جانتے؛ حالانکہ زندگی کی ہر ہر گھڑی، ہر ہر سیکنڈ اور منٹ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت نہیں ہوسکتی، مرتے وقت اس کی قدر معلوم ہوگی کہ ہائے ہم سے کتنا بڑا خزانہ فضول برباد ہوگیا، اس وقت آپ تمنا

کریں گے کہ کاش ہم کو ایک دو منٹ کی اور مہلت مل جائے، وقت آنے کے بعد نہ ایک منٹ ادھر ہو سکے گا نہ اُدھر، غرض وقت بہت قابل قدر چیز ہے؛ لیکن لوگ اس کی قدر نہیں کرتے، فضول باتوں میں ضائع کردیتے ہیں''۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ایک برف فروش سے مجھ کو بہت عبرت ہوئی کہ وہ کہتا جارہا تھا کہ اے لوگو! مجھ پر رحم کرو میرے پاس ایسا سرمایہ ہے کہ ہر لمحہ تھوڑا تھوڑا ختم ہوتا جارہا ہے، اس طرح کی ہماری بھی حالت ہے کہ ہر لمحہ برف کی طرح تھوڑی تھوڑی عمر ختم ہو جاتی ہے، اس کے گھلنے سے پہلے جلدی بیچنے کی فکر کرو، فراغت کے وقت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو کام کرنا شروع کردو (تحفۃ المدارس ص/۱۴۹ ج/۲) آخر عمر میں جب حضرت تھانویؒ ضعیف ہوگئے تھے، بعض حضرات وعظ وغیرہ کم کرنے کا مشورہ دیتے کہ بات کرنے میں تعب ہوگا تو فرماتے ''مگر میں سوچتا ہوں وہ لمحاتِ زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت اور نفع رسانی میں صرف نہ ہوں (مآثر حکیم الامت ص/۶۶) —— حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے یہاں بھی حفاظتِ اوقات کا بڑا اہتمام تھا؛ حتیٰ کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی کتابیں پڑھا کرتے تھے، چوبیس گھنٹے کی زندگی مشین کی طرح متحرک رہتی تھی، کوئی وقت بھی بیکار نہیں جاتا تھا —— شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ ایک عرصہ سے صرف ایک وقت دوپہر کا کھانا کھاتے شام کو کھانا تناول نہیں فرماتے، کہتے کہ میری ایک مشفق ہمشیرہ تھی میں شام کو مطالعہ میں ہوتا تھا، وہ لقمہ میرے منہ میں دیا کرتی تھی، اس طرح مطالعہ کا حرج نہ ہوتا تھا؛ لیکن جب سے ان کا انتقال ہوگیا اب کوئی میری اتنی ناز برداری کرنے والا نہیں رہا، مجھے اپنی کتابوں کا نقصان گوارہ نہیں؛ اس لیے شام کا کھانا ہی ترک کردیا۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ بہت ہی کم عمری سے تعلیم کا شوق تھا، عام لڑکوں کی طرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے، نہ کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کرتے تھے، جب فقہ وحدیث کی تعلیم شروع کی تو اس مبارک علم میں پوری طرح مشغول ہو گئے، دن کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوتا جس میں خالی بیٹھتے اور کوئی کتاب ہاتھ میں نہ ہوتی، وہ کسی ایسے کام کو پسند نہ کرتے تھے، جو تعلیم میں کسی طرح مخل ہو۔ (اسلاف کی طالب علمانہ زندگی ص/۵۷)

احقر نے اپنے مرشد حضرت اقدس مفتی مہربان علی بڑوتی قدس سرہ کے یہاں حفظِ اوقات کا خوب اہتمام دیکھا، میرے رفیق مولانا محمد اسماعیل صادق صاحب مدظلہ اپنے ایک مضمون میں

حضرت کے اس عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ''اگر لوگوں کے اوقات فروخت ہوا کرتے تو میں اپنی زمین کا کچھ حصہ فروخت کر کے ان کے اوقات خرید لیتا''۔

یہ الفاظ ہیں ماضی قریب کے ایک نامور مصنف، خالص علمی وتربیتی شخصیت اور اپنے دور کے انتظامی اُمور کے ماہر سیدی حضرت مفتی مہربان علی بڑوتیؒ کے جنہیں وقت کی بڑی قدر تھی اور اپنے اوقات ایسے انداز سے منضبط کیے تھے کہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، اسی لیے ۴۳؍سال کی مختصر مدت میں اتنا علمی سرمایہ امت کے حوالہ کر گئے جو بعض حضرات ایک صدی زندہ رہنے کے باوجود نہیں کر پاتے، اور ایسی بے مثال شخصیت تھی کہ جن کی عمر زیادہ نہیں ہوئی؛ لیکن انہوں نے اپنا نظام الاوقات اس طرح سے تیار کیا تھا کہ کوئی منٹ اور سیکنڈ خالی نہ گزر سکے، ہمیں اپنے ان پیش رو سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ اپنے اس بیش بہا خزینہ کی قدر کرنی چاہیے۔

حضرت بڑوتی علیہ الرحمہ کو مرض الوفات میں حکیم صاحب نے آرام کے لیے کہا تو فرمایا: ''میں بالکل خالی پڑا رہوں، کچھ بھی نہ کروں یہ تو میرے ذوق سے ہٹ کر ہے، کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہے، اسی میں مجھے آرام ملتا ہے، میرا آرام تو اسی میں ہے کہ میرا ایک منٹ بھی خالی نہ گزرے، میرا ایک ایک منٹ امت کی فکر میں صرف ہو، خالی نہ جائے، اس سے مجھے آرام ملے گا، قیامت میں وقت کے بارے میں سوال کر لیا گیا تو کیا جواب دیں گے۔ پھر فرمایا یہ دنیا ہی ترقی کا باعث ہے، یہاں رہتے ہوئے آدمی بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے، دنیا سے چلے جانے کے بعد وہ ذرہ برابر بھی ترقی نہیں کر سکتا (تذکرۂ مہربان ص ۱۱۲؍)

عموماً ہم اہلِ علم کا یہ مزاج بن چکا ہے کہ اِدھر اُدھر کی فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں، کسی کی تنقیص تو کسی کی تحقیر، کسی کی غیبت تو کسی کی عیب جوئی، بلاوجہ پوری دنیا کا تذکرہ کریں گے اور اپنے بارے میں کبھی خیال نہیں ہوتا کہ اپنا وقت خراب کرنے کے ساتھ گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ رہے ہیں، اس سے نہ تو اپنا نفع اور نہ دوسروں کا، اگر ہم ذرا بھی غور کر کے ایسے اقدامات کریں کہ جس سے خود کا بھی فائدہ ہو اور ملت کے لیے بھی سہولت کی چیزیں فراہم ہو جائیں ـــــ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ: بہترین وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو نفع پہونچائیں، اس حدیثِ مبارک پر عمل اسی وقت ممکن ہے، جب ہم اپنے اوقات کی حفاظت کریں اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کرنے کے لیے اسلاف کے واقعات کا مطالعہ کریں، ان کی سوانح اور پُر مشقت تاریخ پر نظر ڈالیں، اس طرز سے اپنے اندر خفتہ صلاحیت کو ہم جگا سکیں گے۔ (مدارس کا نظام کیسے چلائیں ص ۴۴؍)

ضیاع وقت کا ایک بڑا سبب

ہمارے معاشرے میں نوجوانوں کے قیمتی اوقات کے ضیاع کا ایک بڑا سبب موبائل فون بنا ہوا ہے اس کے ذریعہ s.m.s بھیجنے اور اس کے پروگراموں میں وقت گزاری کرنے کا ایک عام مزاج بن گیا، گھنٹوں اس میں ضائع کردینا، راتوں کو خراب کرنا، ایک عام سی بات ہوگئی، کبھی اس طرف خیال نہیں جاتا کہ میرا قیمتی وقت ضائع ہورہا ہے، سچی بات یہ ہے کہ آج کا نوجوان موبائل کو لے کر ایک مجنونانہ کیفیت کا شکار ہوچکا ہے، اور اس وبائی مرض سے مدارس کا ایک بڑا طبقہ بھی محفوظ نہ رہ سکا، منتظمین کی جانب سے باوجود سخت پابندی اور کڑی نگرانی کے طلبہ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور اس موبائل کے منفی اثرات سے پوری طرح وہ متاثر ہوچکے ہیں، ان دینی طالب علموں کو نہ اپنے دین وایمان کا فکر ہوتا ہے، نہ اپنی دنیوی زندگی کے ضیاع کا کبھی خیال آتا، بس وہ اپنے مستقبل سے آنکھیں بند کرکے مدرسوں کی چہار دیواری میں طالب علمانہ لباس اختیار کرکے خود کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے استاذوں وسرپرستوں اور والدین کو بھی اندھیرے میں رکھے ہوئے ہیں، اللہ رب العزت ہی ان کے حال پر رحم فرمائے، اور ان نادان و ناعاقبت اندیش بچوں کو فکر عطاء فرمائے کہ وہ اپنا مستقبل روشن وتابناک بنانے پر محنت کریں اور اپنے اہلِ خانہ کی اس گاڑھی کمائی کی قدر کریں کہ جو بسیار محنتوں ومشقتوں کے ساتھ کما کر ان بچوں کے ماہانہ صرفہ کا نظم کرتے ہیں باری تعالیٰ انھیں فہمِ سلیم سے نوازے! آمین۔

❁ ❁ ❁

تصوّف اور مستشرقین

از: ڈاکٹر ابوعدنان سہیل

تحریک مستشرقین (Orientalism) کا آغاز اس دور میں ہوا تھا؛ جب کہ تیرہویں صدی عیسوی میں عیسائی دنیا، اسلام کے خلاف برپا کی گئی اپنی صلیبی جنگوں میں پے درپے ناکام ہونے لگی تو اس کے مفکرین اور اس دور کے نظریہ سازوں کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ موجودہ حالات میں طاقت وقوت اور تشدد وجارحیت کے ذریعہ اسلام کو مذہبی اور سیاسی اقتدار سے بے دخل کیا جانا ممکن نہیں ہے؛ چنانچہ اس مرحلہ پر غور وفکر کے بعد انھوں نے یہ لائحہ عمل طے کیا کہ سرِدست اپنی جارحانہ مہم اور جنگ جو پالیسی کو ختم یا کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کرکے علم وتحقیق کے عنوان سے اسلام کو نشانۂ افکار باطلہ بنانا چاہیے اور تلوار کے بجائے قلم کے ذریعہ اسلام کی بیخ کنی کی جائے۔

چنانچہ اس مقصد سے دشمنانِ اسلام مغربی مفکرین نے ایک منصوبہ بند سازش کے تحت اپنی فطری عیاری سے کام لیتے ہوئے یہودی ربّی اور عیسائی مبلغین (Missionary) کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اسلامیات کے منفی مطالعہ کے لیے یورپ میں تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں اور ان میں ''ریسرچ اسکالرس'' کے نام سے ذہین عیسائی عالم اور یہود ربی کارکن متعین کیے جائیں جو اسلام کے بنیادی سرچشموں یعنی قرآن واحادیث نبویؐ اور دیگر اسلامی لٹریچر کے معروضی مطالعہ کے بعد تعلیماتِ اسلامی کے خدوخال مسخ کرکے دنیا کے سامنے ''تحقیق'' (Research) کے نام سے مقالات اور کتابوں کی صورت میں پیش کریں اور ان میں اسے خودساختہ ''شواہد'' مہیّا کریں جن سے یہودیت کی برتری اور دین مسیح کی حقانیت اور ترجیح خود بخود ثابت ہوجائے اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اپنے دین کی نسبت سے احساسِ کمتری (Inferiority Complex) اور اپنے مسلمان ہونے پر شرمندگی کا جذبہ پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ مسیحیت کا تفوّق اور یہودی افکار ونظریات کی برتری کا تصور ان کے ذہنوں پر حاوی ہوجائے۔ پروفیسر آرنلڈ کی کتاب ''پریچنگ

آف اسلام‘‘ اس کی زندہ مثال اور واضح ثبوت ہے۔!

مدت دراز سے یہ مستشرقین یورپ (Orientalists) قرآن واحادیث، سیرت نبویؐ، فقہ اسلامی اور اخلاق وتصوّف یا ’’احسان اسلامی‘‘ کا مطالعہ اسی مقصد سے کرتے رہے ہیں کہ ان میں خامیاں نکالی جائیں اور پھر انھیں اپنے سازشی مقصود کے مطابق اسلام کو سبوتاژ کرنے اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ ان کا طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے وہ اسلام کے خلاف ایک باطل نظریۂ فکر اور شرانگیز بات اپنے ذہن میں طے کرلیتے ہیں اور پھر اس کے اثبات کے لیے تاریخ، حدیث، سیرتِ نبویؐ، فقہ اور اسلامی لٹریچر میں سے ہر طرح کی غیر مستند اور رطب ویابس باتیں اکٹھی کرلیتے ہیں اور اس مقصد کے لیے وہ افسانہ طرازی کرنے اور جھوٹ کا طومار باندھنے سے بھی نہیں شرماتے؛ غرض جہاں کہیں بھی ان کی مقصد براری ہوتی ہو، خواہ علمی اصول کی رُو سے یا صحت واستناد کے اعتبار سے وہ بات کتنی ہی مشکوک وبے تکی کیوں نہ ہو وہ اس کو نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اور پوری جسارت سے ’’سائنٹفک‘‘ بتا کر بڑی آب وتاب اور کرّ وفر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن وحدیث، فن تفسیر، فقہ، کلام، سیرت صحابہؓ، تابعین کرامؒ، ائمہ مجتہدینؒ، اکابر محدثین، فقہاء امت، قضاۃ، رواۃ حدیث، اسماء الرجال، فن جرح وتعدیل، جمع قرآن، تدوین حدیث، حجیت حدیث اور مشائخ سلوک وتصوف وغیرہ غرض ہر موضوع پر ان مستشرقین کی تصانیف اور نام نہاد تحقیقاتی مقالوں میں اس قدر مواد پایا جاتا ہے جو کہ ایک ذہین اور حساس تعلیم یافتہ انسان کو جو ان موضوعات پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتا ہو، اسلام کے بارے میں اس کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور سلف صالحین وعلماء راسخین کی شخصیتوں کو مجروح کردینے اور ان پر سے اعتماد ختم کردینے کے لیے کافی ہے۔ سطحی علم رکھنے والا اور کچے ذہن کے لوگ ان کے خیالات سے بآسانی مرعوب ہوجاتے ہیں، خصوصاً جدید تعلیم کے مراکز جیسے یونیورسٹی، کالج اور اسکول میں پڑھنے والے طالب علم یا مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے ان ’’مستشرقین‘‘ کے دام فریب میں بہت جلد پھنس جاتے ہیں۔

مستشرقین یورپ نے - جن میں اکثریت یہودی اور درپردہ صہیونیت کے علم برداروں کی ہے - تصوّف پر - جو ’’احسانِ اسلامی‘‘ کا مظہر اور اس کی شبیہ ثانی ہے - جو نظر عنایت کی ہے اور اس کے خصوصی مطالعہ اور تحقیق وجستجو کے نام پر اس کی اقدار ونظریات کو سبوتاژ (Sabutage) کرنے کے لیے انھوں نے جس قدر محنت اور لگاتار کوششیں کی ہیں، ان کا اندازہ لگانے کے لیے

ہم سطور ذیل میں ان کی تصوف کے موضوع پر تصنیف وتالیف اور تصوف کی قدیم امہات کتب کی یورپ کی سرزمین سے توزیع واشاعت کی بھرپور جدوجہد کا ایک مختصر سا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ انھوں نے محض ''اسلام کی خدمت'' کے جذبہ سے تو کیا نہیں ہے، اور نہ وہ حالت کفر میں رہتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے لیے کبھی مخلص ثابت ہوسکتے ہیں۔ان کی ان تمام مساعی اور تگ وتاز کا واحد مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ اس طرح تصوف کے افکار ونظریات اور اسلامی معتقدات میں دراندازی اور ان کتب تصوف میں تدسیس کے ذریعہ اپنے اسلام دشمنی کے مشن کو پورا کرسکیں۔تصوف کی نایاب یا کم یاب امہات کتب کے مسودوں کو تلاش کرکے اور زرکثیر صرف کرنے کے بعد ان کی اشاعت اور ان کے مندرجات کی تشہیر وتوضیح کی کوششیں مغرب کے ان مادہ پرست دشمنانِ اسلام کی کس ذہنیت کی عکاسی کرتی ہیں، اس کا جائزہ لینے کے لیے ہم سطور ذیل میں ان کتابوں کی ایک مختصر سی فہرست درج کررہے ہیں جو ان یورپین مستشرقین کی یا تو اپنی تالیفات ہیں، یا پھر انھوں نے تصوف کی قدیم امہات کتب میں سے کچھ مخصوص کتابوں کو خود Edit کرکے یورپ کے مختلف ملکوں سے شائع کیا ہے۔ان میں سے کچھ کتابیں انگریزی زبان (English) میں ہیں- جو موجودہ دور میں ''بین الاقوامی زبان'' کا درجہ رکھتی ہے- اور کچھ کتابیں جرمن زبان (German Language) میں اور کچھ کتابیں فرانسیسی زبان (Franch Language) میں شائع کی گئی ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	مطبع/سن طباعت
۱	Preaching of Islam (اسلام کا تعارف)	Thomas Arnold	Constable & Company Ltd. London (U.K.) 1913
۲	Mystics of Islam (صوفیان اسلام)	Rennold, a, Nicholson	Oxford Press 1914
۳	Studies in Islamic Mysticism (اسلامی تصوف کا مطالعہ)	Rennold, A, Nicholson	Oxford Press 1921
۴	Mystical Demension of Islam (اسلام کی صوفیانہ مجذوبیت)	Schimmel	Chapel Hill, North Carolin a University 1975
۵	Oriental Mysticism (مشرقی تصوّف)	E. H. Palmer	London 1867

۶	Sufism (صوفی مذہب)	Arberry A. J.	Allen & Unwin, London 1950 Reprint Harper & Row, Newyork (USA) 1970
۷	A, Historical Enquiry concerning the origin and development of Sufism صوفی مذہب کے نقطۂ آغاز اور اس کی نشوونما کا ایک تاریخی جائزہ	A. J. Arberry	J. R. A. S. 1906
۸	An Introduction of Sufi Doctrine (صوفیانہ عقائد کا تعارف) DM Metheson کی فرانسیسی کتاب کا انگلش ترجمہ	Burckhard TITUS	London 1968
۹	The Transcendental Unity of Religions (مذاہب اور مسحوریت بے اختیاری کے نفسیاتی عمل) کا باہمی انجذاب	Schuon Frith jof Eng. Translation by (Peter Town Send)	London 1953
۱۰	A, Comparative study of the Philosophical Concepts of Sufism and Taoism (صوفیانہ فلسفہ اور ماوازم کا تقابلی مطالعہ)	Toshihuko, Izutsu	Tokyo (Japan) 1966-67
۱۱	Readings from the Mystics of Islam (اسلامی تصوف کی تعلیمات)	Margret Smith	Luzac & Co, London. 1972
۱۲	Asiatic Researches (ایشیائی تحقیقات)	W. Johnes	London 1803
۱۳	Hindu & Muslim Mysticism (ہندو اور مسلمانوں کا تصوّف)	R. C. Zaehner	New York (USA) 1969
۱۴	The Passion of Al-Hallaj (الحلاّج کا جذب دروں)	Herbert Mason	Princetion University Press. 1982 (4 Vol)
۱۵	Akhbar Al-Hallaj (اخبار الحلاّج)	Paul Karaus	Paris 1936
۱۶	Creative Imagination in the Sufism of Ibne Arabi (تصوف میں ابن عربی کے تخلیقی تصورات)	Corbin Henry	Princetion University Press. 1969
۱۷	Al-Muhasibi an Early Mystic of Baghdad (المحاسبی-بغداد کا ابتدائی دور کا صوفی)	Margret Smithp	Philo Press Amsterdam

Philo Press Amsterdam 1928	Margret Smith	Rabia, the Mystic and her fellowsaints in Islam (رابعہ صوفیہ اوراس کے مسلم ہم خیال ساتھی)	۱۸
London	Michal Thomas	Ibne Taymiah's Sharah on the Futuh-Al-Ghaib (ابن تیمیہؒ کی فتوح الغیب کی شرح)	۱۹
American Journal of Arabic Studies 1973	George Makdisi	Ibne Taymia. A Sufi of the Qadiria Order (ابن تیمیہؒ، قادری دور کا ایک صوفی)	۲۰
Tehran 1971	Hermann Landolt	Simnani on Wahdat-Al-Wujud in Collecter papers on Islamic Philosophy and Mysticism (سمنانی کا نظریۂ وحدۃ الوجود، اسلامی فلسفہ اور تصوف کے منتخب اوراق کے مطابق)	۲۱
Cannada 1971	Mc Gill	Shaykh Ahmad Sirhindi, an outline of his Thought and history of his Image in the Eyes of Prosperity شیخ احمد سرہندی کے تخیلات اور تصورات کا فروغ تاریخ کے تناظر میں	۲۲
New Delhi (Vol I II)	Freeland, Abbot	Studies in Islam in India before Shah Waliullah (شاہ ولی اللہ سے پہلے ہندوستان میں اسلام کا مطالعہ)	۲۳
Paris 1925	Ignaz Goldziher	Vorlesungen Uber des Islam (فرنچ زبان میں)	۲۴
Paris 1968	Louis Gardet & G.C. Anawati	Mysticque Musalmane (فرنچ زبان میں)	۲۵
Paris 1968	Louis Massigon	Essai sur les origines du lexique technique de la Mysticque Muslamane (فرنچ زبان میں)	۲۶
Paris	Louis Massigon	Le Passion de Husayn ibn Mansur Hallaj (فرنچ زبان میں)	۲۷

۲۸	Culturgesc, Hichtliche strefz uge auf dem Gebiete des Islam (فرنچ زبان میں)	Alfred Von Kramer	Paris 1873
۲۹	Sufismus sive theologia (جرمن زبان میں)	Persica Pantheistics	Berlin 1921
۳۰	Ideen and Gundlinier einer algemeine n geschichte der Mystic (جرمن زبان میں)	Adalbert Merx.	Heidel Berg 1993
۳۱	Sufism	A. J. Arberry	London 1950
۳۲	Muslim Studies	Ignaz Goldziher	London 1971
۳۳	The Sufi Orders in Islam	J. Spencer Trimingham	Oxford University Press 1973
۳۴	The Heritage of Iran	A. J. Arbery	London
۳۵	Kitabul - Lamaa (کتاب اللمع) عربی میں (مولفہ شیخ ابونصر سراج طوسی)	Edit by R. A Nicholson	Ledon (Holland) 1914
۳۶	Encyclopaedia of Religion and Ethics		New York Vol. VIII 1955

دیارِ مغرب کے رہنے والے ان دشمنانِ اسلام - یہود ونصاریٰ - نے امتِ مسلمہ کے تعلق باللہ قائم کرنے کے سب سے بڑے مظہر ''احسانِ اسلامی'' یا بعد کے دور میں ''تصوف'' کے نام سے شہرت اور فروغ پانے والے ''اسلامی نظریہ'' کی تفہیم وتبلیغ کی یہ ساری کوششیں ظاہر ہے کہ پورے خلوص اور ایمان داری سے محض ''خدمتِ اسلام'' کے جذبے کے تحت تو یقیناً نہیں کی ہوں گی۔ ان دشمنانِ اسلام کا تصوف کی نادر ونایاب قدیم کتب کے ''مخطوطات'' کو مختلف ملکوں اور دور دراز مقامات سے تلاش کر کے اور زر کثیر صرف کرنے کے بعد یورپ سے شائع کرنے میں لامحالہ ان کی اپنی غرض اور مفاد شامل ہے، اتنی بات ہر پڑھا لکھا اور باشعور انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اسلام اور اکابرین امت کی صاف وشفاف شبیہ کو داغ دار کرنا اور ان سے منسوب کر کے غلط اور واہی تباہی باتیں ان کی لکھی ہوئی کتابوں میں شامل کر دینا دشمنان اسلام یہود کا ہمیشہ سے مشغلہ اور نصب العین رہا ہے، جو لوگ قرآن مجید کی تفسیروں میں اسرائیلی روایات کا ایک بڑا ذخیرہ شامل کر سکتے ہیں اور تاریخ اسلام کی اہم شخصیات خصوصاً صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے

پاکیزہ کرداروں کو مسخ کر کے تاریخ کے نام سے پیش کر سکتے ہیں، ان دشمنان اسلام سے یہ توقع رکھنا تو فضول ہوگا کہ انھوں نے ''تصوف'' کے اسلامی نظریات پر اپنی کرم فرمائی نہ کی ہوگی اور تصوف کو اس کی قدیم اور اصلی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہوگا؟

اسلامی لٹریچر خصوصاً تصوف کی اُمہات کتب کو یورپ کے مختلف ملکوں جیسے انگلینڈ اور امریکہ یا ہالینڈ وغیرہ سے شائع کرنے کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ ان دشمنانِ اسلام نے ''صلیبی جنگوں'' میں اپنی مسلسل اور بدترین شکستوں کے بعد مسلمانوں سے انتقام لینے کی اپنی نئی ''حکمت عملی'' کے مطابق یورپ میں مختلف مقامات پر اسلام کے خلاف جو سازشی ادارے ''تحقیقات اسلامی'' (Islamic Research) کے نام سے قائم کیے تھے، ان میں تعلیم وتربیت پانے والے نام نہاد طلبا اور مستشرقین کی اپنے خود ساختہ منصوبہ کے مطابق اسلام کے خلاف ذہن سازی کے لیے ایسا اسلامی لٹریچر وجود میں لایا جائے جس کو پڑھ کر اسلام کی شبیہ مکروہ اور قابل نفرت معلوم ہو اور اسلام دشمن نام نہاد ''مستشرقین'' ان تحریف شدہ کتابوں سے اپنے مقصد کے لیے ''تحقیقات اسلامی'' کے نام پر اسلام کے خلاف زہریلا مواد حاصل کر سکیں۔ اس طرح انھیں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے اور اسلام کی حقانیت کو داغ دار کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوگی۔

اسلام دشمن مستشرقین مغرب، اسلامی نظریات کو مسخ اور داغ دار کرنے کے لیے کس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، اس کا اندازہ ان مستشرقین کی مرتب کردہ کتابوں کو پڑھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر تصور میں شیخ محی الدین ابن عربی کا بدنام زمانہ نظریہ ''وحدۃ الوجود'' کی تشریح وتفہیم مشہور مستشرق نکلسن (Nicholson) نے اپنی کتاب "Studies In Islamic Mysticism" (Delhi-1876) (یعنی اسلامی تصوف کا مطالعہ) میں صفحہ ۷۷ تا صفحہ ۱۴۳ پر ایران کے صوفی عبدالکریم الجیلی کے حوالہ سے ابن عربی کے فلسفہ میں جو ترمیمات کی ہیں ظاہر ہے کہ اس کا مقصد راہ سلوک کے اس اہم ''ذہنی مرحلے'' پر شیخ محی الدین ابن عربی کے مخصوص مفہوم اور تاثرات کو غلط معنی پہنا کر مسلمانوں کے ذہنوں پر ابن عربی کی غلط اور قابل نفرت شبیہ بٹھانا ہی ہے اور اس طرح تصوف کا ایک منفی تعارف کرانا ہی نکلسن کا مطمح نظر ہے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ نکلسن اپنی اس کتاب Islamic Mysticism کے صفحہ ۱۴۹ پر تصوف کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:

''صوفی وہ ہے جو اپنی ذات میں فنا ہو جاتا ہے اور خدا میں زندہ رہتا ہے۔ اس معنوں میں فنا ہو جانا دراصل خدا کے ساتھ متحد ہو جانا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مسلم صوفیہ کی آخری غایت خدا

بن جانا اور الوہیت میں شریک ہو جانا (Deification) ہی ہے‘‘

حالانکہ حقیقی ’’اسلامی تصوف‘‘ کا مقصد اسرار و رموز کائنات کی معرفت یا ذات باری تعالیٰ میں ادغام یا وصل ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی الوہیت یا صفات الٰہی میں انسان کی شرکت اس کی منتہا و مقصود ہے۔ بقول مجدد الف ثانیؒ:

’’فنا و بقا کے تجربہ کو الوہیت میں شرکت تصور کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ دوران مراقبہ صوفی جب خود کو فنا کر کے خدا کے ساتھ متحد ہو جانے کی کیفیت محسوس کرتا ہے تو یہ کیفیت بعینہٖ خواب کی طرح ہوتی ہے۔ یہ سب حقیقتاً نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر تم خواب میں دیکھو کہ بادشاہ بن گئے ہو تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ تم حقیقت میں بادشاہ ہو گئے ہو۔ اسی طرح جب سالک دیکھتا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ متحد ہو کر خود بھی ’’خدا‘‘ بن گیا ہے تو وہ سچ مچ خدا نہیں بن جاتا۔‘‘ (مکتوبات امام ربانی ج۱، م۲۶۶، ص:۵۸۹)

تصوف کے اس ’’ذہنی مرحلہ‘‘ کی کیفیت کی وضاحت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے زیادہ واضح الفاظ میں کی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق ’’سالک عشق الٰہی میں ہمہ تن غرق اور اپنی ہستی کو فنا کر کے بزعم خود اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس طرح جذب ہو جاتا ہے جس طرح لوہے کا ٹکڑا آگ میں تپ کر آگ ہی کی طرح سرخ اور شدید گرم ہو جاتا ہے، گویا وہ بھی آگ ہے؛ حالانکہ حقیقت میں وہ آگ نہیں؛ بلکہ لوہا ہی ہے۔ ٹھیک اسی طرح عشق الٰہی کی آگ میں تپ کر سالک بھی خود کو ذاتِ خداوندی سے ہم آہنگ محسوس کرنے لگتا ہے۔ بہرنوع! یہ سب محض تصوراتی اور ’’خیالی فلسفہ‘‘ ہے، حقیقت میں نفس الامری نہیں ہے‘‘۔ (ہمعات، ص:۳۶)

❁ ❁ ❁

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت مولانا زین العابدین الاعظمی المعروفی علیہ الرحمہ

مولانا عبدالباسط قاسمی ابن الشیخ مولانا زین العابدین الاعظمی شعبۂ کتب خانہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اہل علم کے حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج وغم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ عالم ربانی، محدث جلیل ناقد بصیر، شیخ طریقت، راقم سطور کے والد ماجد حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی علیہ الرحمہ ۱۶؍جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ بمطابق ۲۸؍اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار بعد نماز ظہر ۲ بج کر ۱۵ منٹ پر اپنے وطن پورہ معروف میں بہ عمر ۸۳ برس اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ إنَّاللّٰہ و إنَّا الیہ راجعون۔

مرحوم تواضع وانکساری کے خوگر، صبر واستقامت کے پیکر اور اخلاص وللّٰہیت کا نمونہ تھے، ان کے سینے میں اتباعِ سنت کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہتا تھا، چھوٹوں پر شفقت اور خورد نوازی ان کا طرۂ امتیاز تھا، ہمیشہ چھوٹوں کو آگے بڑھانے انہیں بنانے سنوارنے، ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے، وہ اپنے شاگردوں کو آسمان کی بلندیوں پر دیکھنا چاہتے تھے، ان کی کوشش تھی کہ طلبہ علم وعمل کے میدان میں خود ان سے بھی آگے بڑھ جائیں، ہمیشہ حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے، قسام ازل نے ان کے اندر اتنے سارے اوصاف وکمالات، اور اتنی ساری خوبیوں کو جمع کر دیا تھا کہ انہیں احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں، ملک کے چند مشاہیر اہل علم وقلم اور راسخین فی العلم میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ مردم گری اور افراد سازی ہے، ان کے انتقال پر نہ صرف ہمارا خاندان اور جامعہ مظاہر علوم غم زدہ ہے؛ بلکہ پورے ملک کی علمی فضا سوگوار ہے، ایک ایسا علمی خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پُر ہونا بظاہر مشکل ہے،

آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

ان کے تلامذہ نہ صرف ملک کے طول وعرض؛ بلکہ بیرون ممالک پھیلے ہوئے ہیں، رب کریم ان کی خدمات کو قبول فرما کر انہیں اعلی علیین میں جگہ عنایت فرمائے! آمین۔

میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی ولادت علم وفضل کی سرزمین پورہ معروف ضلع مئو میں ۲۹ر جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ کا دن گزار کر رات میں ہوئی، اس طرح ولادت کی تاریخ یکم رجب کہی جاسکتی ہے عیسوی سنہ کے اعتبار سے یہ اکتوبر ۱۹۳۲ء ہے، اپنے والدین کی وہ تیسری اولاد تھے سب سے پہلے ان کی ایک بڑی بہن بچپن میں انتقال کرچکی تھیں، ان کے بعد ان کے بڑے بھائی مولانا محمد یونس صاحب مرحوم ومغفور فاضل دیوبند تھے، جو ۱۳۴۷ھ میں پیدا ہوئے، بچپن میں والد صاحب نوراللہ مرقدہ کے ہم سبق بھی رہ چکے تھے؛ مگر والد صاحب کی دیوبند سے فراغت سے ایک سال پہلے فارغ ہوکر گھر تشریف لائے۔ اور ایک سال کے بعد اپنی بیوہ اور ۶ ماہ کا بچہ چھوڑ کر وفات پاگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

سلسلہ نسب: زین العابدین بن محمد بشیر بن محمد نذیر بن غلام محمد بن حافظ عبدالقادر بن عبدالرحمٰن مرحوم آگے بھی چند پشت تک سلسلۂ نسب محفوظ تھا؛ لیکن اب محفوظ نہیں۔

ہمارے جدامجد حافظ عبدالقادر صاحبؒ، مولانا محمد طاہر معروفی علیہ الرحمہ کے معاصر تھے جو مولانا سخاوت علی ومولانا کرامت علی جونپوری کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اس زمانے میں علم دین کے اندر سرزمین پورہ معروف میں یہی دوگھرانے نمایاں اور ممتاز تھے۔

پہلی درس گاہ مدرسہ معروفیہ: ۱۳۵۷ھ میں مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں داخل کیے گئے حضرت مولانا شبلی صاحب شیدا خیرآبادی سے (جو اس زمانے میں مدرسہ معروفیہ میں پڑھایا کرتے تھے) اردو کی تمام کتابیں، نقل، املا، گنتی، پہاڑہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، انجمن حمایت اسلام لاہور والی اردو کی پہلی ودوسری کتاب، اردو دینیات کا پہلا اور دوسرا رسالہ انہیں سے پڑھا۔ مولانا شبلی صاحب شیدا خیرآبادی فارسی زبان وادب کے بے مثال معلم، بہترین خطاط اور اعلیٰ درجے کے قادرالکلام شاعر تھے، یہ تمام اوصاف ان کے (تلامذہ بشمول مولانا محمد عثمان معروفی اور والد صاحب علیہ الرحمہ کے اندر بتمام وجوہ منتقل ہوئے) مدرسہ معروفیہ میں حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ کے اساتذہ میں مولانا شبلی خیرآبادی، منشی علی احمد میونڑوی اور عربی کے اساتذہ میں مولانا عبدالستار اعظمی معروفی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، وبرادر اکبر مولانا عبدالجبار اعظمی معروفی علیہ الرحمۃ کا نام نامی ہے۔ والد صاحب نے اپنے گاؤں میں رہ کر ان اساطین علم و فضل اور اہل فن سے بھرپور استفادہ کیا، اس مدرسہ میں شرح تہذیب، شرح وقایہ اور شرح جامی تک تعلیم حاصل کی، پھر اس کے بعد ضلع اعظم گڑھ کے ایک بڑے علمی مرکز مدرسہ احیاء العلوم

مبارک پور تعلیم حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ امتحان داخلہ حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب نے لیا پھر مطلوبہ جماعت میں داخلہ مل گیا۔ یہ ۱۳۶۷ھ کی بات ہے۔

پورہ معروف کے کل تین ہم جماعت ساتھی ایک ساتھ مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخل ہوئے۔

مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کے اساتذۂ کرام

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب: ان کے پاس ہدایہ اولین، قطبی، بعدہ سلم العلوم پڑھی۔

(۲) حضرت مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی: ان کے پاس ترجمۂ قرآن شروع کے چار پارے، پھر نورالانوار، پھر متنبّی قافیہ ب تک پڑھی۔

(۳) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی معروفی: ان کے پاس مقامات حریری۔

(۴) حضرت مولانا قاری ظہیرالدین صاحب معروفی: ان کے پاس نورالانوار پڑھی، پھر تدریس کے زمانے میں خارج میں انھیں کے پاس قراءتِ سبعہ بھی پڑھی۔

(۵) نورالانوار کا بقیہ مولانا بشیر احمد مبارک پوری سے پڑھا۔

اس مدرسہ کے تمام امتحانات امتیازی نمبرات سے پاس کیے، یہاں صرف ایک سال قیام رہا۔

دارالعلوم دیوبند میں پہلا سال

پھر شوال ۱۳۶۸ھ میں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے لیے روانگی ہوئی، بڑے بھائی مولانا محمد یونس صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے، جو حضرات دیوبند ساتھ تشریف لے گئے، ان میں دو نام بطور خاص قابل ذکر ہیں، ایک مولانا ومفتی اختر حسن صاحب صدر مفتی واستاذ جامعہ مفتاح العلوم مئو (تقریباً تین سال پہلے انتقال فرما گئے)

دوسرے مولانا وڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، عربی کے مایہ ناز ادیب، ادارہ کے ترجمان ''مجلّہ البعث الاسلامی'' اور جریدہ ''الرائد'' کے ایڈیٹر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

والد صاحب کا داخلہ امتحان مولانا عبدالاحد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے لیا۔

دارالعلوم دیوبند میں پہلے سال اسباق کی ترتیب اس طرح تھی:

پہلا اور دوسرا گھنٹہ: شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ امروہوی کے پاس تھا اس

میں ہدایہ آخرین کا سبق ہوتا تھا۔

تیسرا گھنٹہ: حضرت مولانا عبدالاحد صاحب کے پاس تھا ان سے ملاحسن شرح سلم العلوم پڑھی۔

چوتھا گھنٹہ: حضرت مولانا محمد جلیل کیرانوی علیہ الرحمہ کے پاس تھا ان سے میبذی پڑھی۔

پانچواں گھنٹہ: تجوید (فوائد مکیہ) قاری محمد عتیق صاحبؒ تلمیذ قاری عبدالوحید الٰہ آبادی کے پاس تھا۔

چھٹا گھنٹہ: مختصر المعانی، تلخیص المفتاح مولانا فخر الحسن صاحبؒ کے پاس تھا۔

بعد مغرب دیوان متنبّی، عروض المفتاح مولانا فخر الحسن صاحبؒ کے پاس تھا۔

اس زمانے میں پاس ہونے کے لیے مفروضہ پچاس نمبروں میں سے چالیس نمبر حاصل کرنا ضروری تھا اور طالب علم کی حسن تحریر پر انعامی نمبرات جو پچاس سے زاید بھی ہوسکتے تھے دیے جاتے تھے۔

سال اول ۱۳۶۸/۶۹ھ کے نمبرات

ہدایہ آخرین	۴۰	فوائد مکیہ	۴۵	میبذی	۴۵	خوشنویسی	۴۷
ملاحسن	۵۱	مختصر	۴۸	شرح عقائد نسفی	۵۰	تلخیص	۵۰
قرارت	۵۰	دیوان متنبّی	۵۱				

دارالعلوم دیوبند میں دوسرا سال

(۱) مشکوٰۃ شریف مکمل: حضرت مولانا محمد جلیل صاحبؒ کے پاس۔

اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۲ نمبر حاصل کیے۔

(۲) جلالین شریف مکمل: حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب کے پاس۔

غالباً اسی سال مولانا نے پہلی بار جلالین پڑھائی۔ سالانہ امتحان میں ۵۰ حاصل کیے۔

(۳) شرح نخبۃ الفکر: حضرت مولانا محمد جلیل صاحبؒ کے پاس۔

اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۰ نمبر حاصل کیے۔

(۴) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحبؒ کے پاس۔

اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۰ نمبر حاصل کیے۔

(۵) خوشنویسی: حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ کے پاس۔

اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۰ نمبر حاصل کیے۔

(۶) سراجی: قاضی مسعود احمد صاحبؒ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کے پاس۔
اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۰ نمبر حاصل کیے۔
(۷) قرارت: جناب قاری عتیق احمد صاحب کے پاس۔
ان کے پاس قرآن کریم بروایت حفص مکمل کیا، اور سالانہ امتحان میں ۴۵ نمبر حاصل کیے۔
(۸) المقدمۃ الجزریہ: جناب قاری عتیق احمد صاحب کے پاس۔
اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۰ نمبر حاصل کیے۔
(۹) خلاصۃ البیان: جناب قاری عتیق احمد صاحب کے پاس۔
اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۰ نمبر حاصل کیے۔
(۱۰) تصریح علم ہیئت: حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کے پاس۔
اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۳ نمبر حاصل کیے۔
(۱۱) شرح چغمینی علم ہیئت: حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کے پاس۔
اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۳ نمبر حاصل کیے۔
(۱۲) بست باب زائچہ: حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کے پاس۔
اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۴۹ نمبر حاصل کیے۔
(۱۳) اقلیدس (جیومیٹری): حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کے پاس۔
اس کتاب میں سالانہ امتحان میں ۵۳ نمبر حاصل کیے۔
امسال پورے دارالعلوم میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں تیسرا سال

ایک سال کے اندر فنون کی جملہ کتابیں پڑھ کر علمی تشنگی بجھائی۔
(۱) بیضاوی شریف سورہ بقرہ: حضرت مولانا ظہور احمد صاحب علیہ الرحمہ کے پاس۔
سالانہ امتحان میں ۵۲ نمبر ملے۔
(۲) شرح عقائد: حضرت مولانا ظہور احمد صاحب علیہ الرحمہ کے پاس۔
سالانہ امتحان میں ۴۴ نمبر ملے۔
(۳) المسامرہ فی شرح المسائرہ: حضرت مولانا ظہور احمد صاحب علیہ الرحمہ کے پاس۔
سالانہ امتحان میں ۴۵ نمبر ملے۔

(۴) امور عامہ فن عقائد میں: حضرت العلام مولانا محمد ابراہیم بلیاوی علیہ الرحمہ کے پاس۔ سالانہ امتحان میں ۴۰ نمبر ملے۔

(۵) شرح عقائد جلالی: حضرت العلام مولانا محمد ابراہیم بلیاوی علیہ الرحمہ سے ۴۰ نمبر ملے۔

(۶) توضیح تلویح فی اصول الفقہ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب کے پاس ۴۰ نمبر ملے

(۷) قاضی مبارک فی المنطق حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی علیہ الرحمہ سے ۴۱ نمبر ملے۔

(۸) حمداللہ: حضرت مولانا فخر الحسن صاحب کے پاس ۳۶ نمبر ملے۔

(۹) صدرا فلسفہ: حضرت مولانا محمد جلیل صاحب مرحوم کے پاس ۵۱ نمبر ملے۔

(۱۰) شرح اشارات لابن سینا الطوسی حضرت العلام ابراہیم بلیاویؒ کے پاس ۵۱ نمبر ملے۔

(۱۱) خوشنویسی حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب مرحوم کے پاس سالانہ امتحان میں ۵۱ نمبر ملے۔

(۱۲) اسی سال خارج میں حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کے پاس فتوی نویسی کی مشق بھی کی، حضرت نے بعد نماز عشاء وقت عنایت فرمایا، والد صاحب علیہ الرحمہ پر نہایت شفقت فرمایا کرتے تھے، والد صاحب نوراللہ مرقدہ نے کل چوہتر فتاوی تحریر کیے، یہ جوابات مفتی مہدی حسن، مفتی مسعود احمد اور مفتی احمد علی سعید مفتیان دارالعلوم کی تصدیقات کے بعد سائلین کو ارسال کیے گئے، حضرت مفتی مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ کو والد صاحب کی فتوی نویسی پر انتہائی اعتماد تھا۔ دارالافتاء میں تقرری کے لیے حضرت مہتمم صاحب سے سفارش بھی فرما چکے تھے، لیکن بعض کرم فرماؤں کی عنایات تقرری کی راہ میں حائل ہوگئیں، ان کے نام کا پردہ خفا میں رہنا ہی مناسب ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں چوتھا سال

(۱) بخاری شریف: شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی سے۔ سالانہ امتحان میں ۵۱ نمبر حاصل کیے۔

(۲) ترمذی شریف اول: شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے سالانہ امتحان میں ۵۰ نمبر حاصل کیے۔

ترمذی شریف جلد ثانی حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ امروہوی کے پاس خارج میں ختم ہوئی۔

(۳) مسلم شریف: حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی قدس سرہ سے ۵۲ نمبر حاصل کیے۔

(۴) طحاوی بعد نماز فجر: حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی قدس سرہ سے ۵۳ نمبر حاصل کیے۔

(۵) ابوداؤدشریف: حضرت شیخ الادبؒ کے پاس ۵۱نمبر حاصل کیے۔
(۶) شمائل ترمذی: حضرت شیخ الادبؒ کے پاس ۵۰نمبر حاصل کیے۔
(۷) نسائی شریف: حضرت مولانا فخرالحسن صاحبؒ کے پاس ۵۳نمبر حاصل کیے۔
(۸) موطاامام محمدؒ: حضرت مولانا فخرالحسن صاحبؒ کے پاس ۵۲نمبر حاصل کیے۔
(۹) موطاامام مالک: مولانا محمد جلیل صاحبؒ کے پاس ۵۲نمبر حاصل کیے۔
(۱۰) ابن ماجہ شریف، مولانا ظہوراحمد صاحبؒ کے پاس ۵۱نمبر حاصل کیے۔

دورۂ حدیث میں خصوصی انعامات کے لیے پانچ سونمبرات حاصل کرنے ضروری تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت والدصاحب نوراللہ مرقدہ نے پانچ سو پندرہ نمبر حاصل کیے، مولانا جمال الدین مدراسی کو ۵۰۳نمبر ملے تھے، یہی دونوں حضرات خصوصی انعام کے مستحق ٹھہرے۔ مولانا ابوالحسن دہلوی کو چارسونوے، اور مولانا انظرشاہ کشمیری کو چارسونواسی نمبر حاصل ہوئے تھے، مولانا انظرشاہ صاحب دوران سبق والدصاحب کے سبقت لے جانے کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے، تعریفی وتوصیفی کلمات سننے والے اب بھی بہت سارے لوگ موجود ہیں۔

تدریسی زندگی کا آغاز

حضرت والدصاحب علیہ الرحمہ نے شوال ۱۳۷۲ھ مطابق جون ۱۹۵۳ء میں کلکتہ کے قریب امین پورشاشن کے جونیر مدرسہ سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا؛ لیکن آب وہوا موافق نہ ہونے کی وجہ سے صرف دوماہ بعد ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ اگست ۱۹۵۳ء میں گھر واپس آگئے، اور اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یونس صاحب کی جگہ پر (جو کسی وجہ سے بمبئی چلے گئے تھے) خالص پور ضلع اعظم گڑھ کے ایک مکتب میں پڑھانے لگے۔

تواضع اور انکساری کا یہ عالم کہ دارالعلوم دیوبند میں اول پوزیشن حاصل کرنے کے باوجود مکتب میں بیٹھ کر قاعدۂ بغدادی سے تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا، ناظرہ قرآن کریم کے علاوہ اردو کی پہلی، دوسری کتاب اور کچھ بچوں کو فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔

رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ مئی ۱۹۵۴ء کے دوسرے عشرے میں اپنے استاذ حضرت مولانا اعزازعلی صاحب امروہویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے مدرسہ مدینۃ العلوم اکلہ خان پور ضلع میرٹھ بھیج دیا، اردو کی پہلی، دوسری، تیسری، حمد باری، آمدنامہ، گلزاردبستاں اور عربی درجات میں نحومیر اور صرف میر پڑھائی، یہاں شوال ۱۳۷۳ھ تا رجب ۱۳۷۴ھ قیام رہا انگریزی سنہ

جون ۱۹۵۴ء ہے۔

جامعہ احیاء العلوم مبارکپور میں

شوال ۱۳۷۴ھ جون ۱۹۵۵ء میں سینئر مدرسہ گوماپھول باڑی آسام چلے گئے، وہاں پر فقہ و حدیث اور ادب و منطق کی اعلیٰ کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، ۱۳۷۷ھ جون ۱۹۵۸ء تک آپ کا آسام میں قیام رہا، ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ میں آپ کے استاذ محترم، مدرسہ احیاء العلوم کے نائب ناظم، مولانا شمس الدین صاحب نے آپ کو اپنی مادر علمی میں آکر تدریس کی دعوت دی، آپ نے بشاشت کے ساتھ قبول کرلیا۔ محرم ۱۳۷۸ھ اگست ۱۹۵۸ء میں جامعہ احیاء العلوم مبارک پور پہنچ کر آپ تدریسی خدمات انجام دینے لگے، احیاء العلوم مبارک پور کے زمانے میں آپ نے شرح عقائد نسفی، سلم العلوم، ملاحسن، میبذی، دیوان متنبّی، مقامات، ہدایہ اولین، جلالین، ابن ماجہ اور مسلم شریف جیسی اہم کتابوں کا درس دیا، یہیں پر آپ نے شرح عقائد نسفی کی عربی شرح بھی تحریر فرمائی، اس زمانے میں ہمارے دیار میں والد صاحب کے علم کا طوطی بولتا تھا، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ نے اسی زمانے میں والد صاحب کے پاس تعلیم حاصل کی جو بعد کے زمانے میں ہندوستان کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر جگمگائے، شعبان ۱۳۹۰ھ تک یہاں قیام رہا۔ اور اپنے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب علیہ الرحمۃ کے دست راست بنے رہے، یہاں پر آپ نے تقریباً بارہ برس تدریسی خدمات انجام دیں، آج بھی بہت سارے اہل علم اس زمانے کی یادگار ہیں جو ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

تبلیغ میں حصہ

۹۱-۱۳۹۰ھ ۷۱-۱۹۷۰ء تقریباً ایک سال تبلیغ میں وقت لگایا یہ اس وقت کی بات ہے جب تبلیغ میں جانے والوں کو آج کے بالمقابل ریاضت ومجاہدے زیادہ کرنے پڑتے تھے، پذیرائی کے بجائے خشت باری، اور لعنت ملامت کا سامنا کرنا پڑتا تھا، والد صاحب تبلیغی جماعت کے سخت حامیوں میں سے تھے، مگر قابل اعتراض باتوں پر گرفت بھی کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں تبلیغ کے اکابر میں والد صاحب علیہ الرحمہ کا شمار ہوتا تھا۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں

ایک سال جماعت میں وقت لگانے کے بعد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں تدریسی

زندگی شروع کی، تقریباً آٹھ برس اس ادارے میں قیام رہا، بخاری شریف، ترمذی شریف، حجۃ اللہ البالغہ، بدایۃ المجتہد، شرح عقائد نسفی اور فقہ وحدیث وادب کی دوسری اہم کتابیں بھی زیر درس رہیں، اس زمانے کے مشہور تلامذہ میں مولانا اجمل ایوب اصلاحی صاحب جنہوں نے اور کئی کتابوں کے علاوہ ابھی حال ہی کتاب الروح لابن قیم کی تحقیق کی ہے، مولانا طاہر مدنی ناظم جامعۃ الفلاح بلریا گنج، مولانا نعیم الدین اصلاحی استاد جامعۃ الفلاح، مولانا سلطان احمد اصلاحی ادارہ تحقیق وتصنیف علی گڑھ، مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیر آبادی وغیرہ ہیں، آخر الذکر مدرسی کے زمانے میں والد صاحبؒ سے بھرپور استفادہ کرتے رہے، جماعت اسلامی کے لوگ انہیں اپنا ہمنوا بنانا چاہتے تھے؛ مگر والد صاحب کی پشت پناہی کی وجہ سے وہ لوگ کامیاب نہ ہوسکے، ایک بار کسی نے برسبیل تذکرہ والد صاحب سے کہہ دیا کہ مولانا ابواللیث خیر آبادی کو مولانا زین العابدین اعظمی نے خراب کیا ورنہ وہ فکر ونظر میں جماعت اسلامی کے نظریات سے ہم آہنگ ہورہے تھے، اس پر والد صاحب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ مولانا ابواللیث تو میرے آدمی تھے، وہ قاسمی ہیں، آپ انہیں اغوا کرنا چاہتے تھے، میں نے صرف اتنا کیا کہ انہیں اغوا ہونے سے بچالیا۔

پھر جب والد صاحب جامعہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے تو انہوں نے یہاں کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ العالی سے مشورہ کرکے مولانا ابواللیث خیر آبادی کا ایک محاضرہ شعبۂ تخصص فی الحدیث میں بعنوان ''تخریج حدیث'' رکھوایا، ناظم صاحب مدظلہ العالی نے بڑی بشاشت اور کشادہ قلبی کے ساتھ والد صاحب کی اس خواہش کا خیر مقدم کیا مولانا موصوف محاضرہ کے لیے بڑے اعزاز سے بلائے گئے، پھر جب مولانا خیر آبادی نے اپنی معرکۃ الآرار تصنیف "تخریج الحدیث نشأته ومنهجيته" لکھی تو اس کا مسودہ حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں برائے نقد وتبصرہ بھیجا والد صاحب اور برادر مکرم مولانا مفتی عبداللہ معروفی صاحب نے بامعان نظر دیکھ کر ایک رائے قائم کی پھر والد صاحب نے تفصیلی نقد جو فل اسکیپ سائز میں چار پانچ صفحات پر مشتمل تھا، میرے ہمراہ خیر آبادی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا، اور کچھ مفید مشورے بھی دیئے، جسے مولانا خیر آبادی نے کشادہ قلبی کے ساتھ قبول کیا اور شکریہ کا خط بھی لکھا پھر جب کتاب چھپ کر منصۂ شہود پر آگئی تو والد صاحب نے اسے مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تخصص میں داخل کرنے کی شفارش کی، بحمداللہ مظاہر علوم کے شعبہ تخصص فی الحدیث میں یہ کتاب داخل نصاب ہے۔

دارالعلوم چھاپی ضلع بناس کانٹھا گجرات میں

یہاں پر ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء میں تقرر ہوا، اور مستقل پانچ برس تک یہاں قیام رہا، اس زمانے میں حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب فیروز پوری گجراتی وہاں پر مہتمم تھے، اور وہی شیخ الحدیث بھی تھے، اس سے قبل وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی شیخ الحدیث رہ چکے تھے، والد صاحب کے بڑے مداح اور بڑے قدردان، کشادہ قلب، روشن جبیں، نہایت خیراندیش، ہمہ وقت ادارے کو ترقی دینے میں کوشاں، مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک، عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر گوئی پر مکمل قدرت، ''صور اسرافیل''، ''حرکت آفاق'' اور ''شہادت بابری مسجد'' ان کا مجموعۂ کلام ہے، شاعری میں اقبال کا رنگ غالب ہے، صاحب دیوان شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مسند حدیث پر جلوہ افروز، اللہ تعالیٰ ان کی خدمتوں کو قبول فرمائے، وہاں والد صاحب کے پاس صحیح مسلم، طحاوی شریف اور حدیث وفقہ وادب کے دیگر کتابیں بھی زیر درس رہیں، حضرت مولانا بار بار آپ کو بخاری شریف پڑھانے کی پیش کش کرتے؛ مگر والد صاحبؒ انکار کردیتے۔ والد صاحب بخاری شریف کی تقسیم کے کسی طرح قائل نہ تھے۔

مولانا قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری کو خارج میں ڈھائی سال کی محنت شاقہ کے بعد قراءتِ سبعہ مکمل کرائی، اور قراءت سبعہ خالصۃ لوجہ الکریم پڑھائی، اس زمانے تک پورے شمالی گجرات میں ایک بھی سبعہ کا قاری نہ تھا، آج وہاں پر جتنے بھی قراء سبعہ ہیں ان کا سلسلہ اسناد براہ راست یا بالواسطہ والد صاحب علیہ الرحمہ پر ہی جا کر آگے بڑھتا ہے۔ اس علاقے کے لیے والد صاحبؒ کا یہ ایک تجویدی کارنامہ ہے وہاں کے مشہور تلامذہ اور استفادہ کرنے والوں میں چند اہم نام یہ ہیں۔

حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری نائب شیخ الحدیث مدرسہ امداد العلوم ڈوالی گجرات

مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امداد العلوم وڈالی گجرات

مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب کالیڑا، صدر مفتی دارالعلوم چھاپی گجرات

مولانا محمد یعقوب صاحب نائب مہتمم دارالعلوم چھاپی گجرات

مولانا ثناء اللہ رسول پوری صاحب استاذ فقہ وحدیث دارالعلوم چھاپی گجرات

مولانا رفیق احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم چھاپی گجرات جنہوں نے سرائے میر کے

زمانے میں والد صاحب سے استفادہ کیا تھا۔

مولانا رشید احمد صاحب ابن مفتی کفایت اللہ صاحبؒ مہتمم خانقاہ خلیلیہ ماہی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے ایک رمضان بغرض استفادہ پورہ معروف میں گزارا، سفینۃ البلغاء اور بعض دیگر اہم کتابوں کے علمی اشکالات حل کئے۔

میری والدہ مرحومہ کی علالت کی وجہ سے والد صاحب کو ایک سال کی بغرض علاج چھٹی لینی پڑی، ہمارا قیام پورہ معروف میں تھا، جامعہ مظہر العلوم بنارس میں ایک شیخ الحدیث کی ضرورت تھی، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مظہر العلوم چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند جا چکے تھے، مولانا عبدالجبار صاحب مئوی (تلمیذ رشید محدث کبیر) ان کی جگہ سنبھالے ہوئے تھے، جنھوں نے حواشیٔ بخاری شریف کی اغلاط کی تصحیح فرما کر "التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات" کے نام سے ایک علمی کام کیا ہے، مولانا عبدالمغنی صاحب صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس نے اصرار کر کے والد صاحب کو راضی کر لیا، پہلے والد صاحب وہاں پر صرف ایک سال کے لیے آمادہ ہوئے مگر اگلے شوال ۱۴۰۵ھ جون ۱۹۸۵ء میری والدہ مرحومہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں، ہم بھائی بہنوں کی تعلیم و تربیت اور کچھ دوسرے عوارض کی وجہ سے والد صاحب پھر گجرات نہ جا سکے، البتہ اخیر عمر تک اہل گجرات سے اچھے مراسم اور مخلصانہ تعلقات قائم رہے، جامعہ مظہر العلوم بنارس میں والد صاحب ۹ برس ۳ ماہ شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہ کر ۱۹۹۳ء میں رٹائرڈ ہو گئے، یہاں پر بخاری شریف، ترمذی شریف، شرح عقائد، حجۃ اللہ البالغہ، ہدایہ اولین و آخرین، اور نحو و صرف وغیرہ کی کتابیں زیر درس رہیں۔

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں دو سال

ابھی مظہر العلوم بنارس سے رٹائرڈ ہونے میں کچھ وقت باقی تھا کہ مولانا محمد رضوان القاسمی صاحبؒ نے ہمارے ایک عزیز مولانا نورالعین کو پانگنجی کی معرفت اپنے ادارہ میں آنے کی دعوت دی اور اصرار فرمایا کہ رٹائرڈ ہونے سے قبل ہی یہاں پر آ کر کچھ روز قیام کر لیں؛ چنانچہ والد صاحب نے اسے منظور فرما لیا، اور ایک سفر کیا پھر واپس آ کر کچھ دن مظہر العلوم بنارس میں مقیم رہے، رٹائرڈ ہونے کے فوراً بعد مع اہل و عیال حیدرآباد تشریف لے گئے، وہاں پر جدید تلامذہ کے علاوہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، اور مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا احمد عبدالمجیب قاسمی ندوی، مولانا محمد مصطفےٰ مفتاحی چمپارنی (جو احیاء العلوم مبارکپور کے زمانے کے والد صاحب کے شاگرد

تھے) انہوں نے بھرپور استفادہ کیا والد صاحب کی بڑائی اور عظمت ہمیشہ ان حضرات کے دلوں میں رہی؛ حالانکہ یہ تینوں حضرات ملک میں ایک نمایاں علمی حیثیت رکھتے تھے:

(۱) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، صاحب بصیرت عالم دین ہیں، فقہ وفتاوی اور خاص کر جدید فقہی مسائل میں اس وقت پورے ملک میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، دس بارہ کتابوں کے مصنف ہیں، قاموس الفقہ، کتاب الفتاوی، جدید فقہی مسائل، حلال وحرام جیسی اہم کتابوں کے مصنف ہیں، اللہ انہیں سلامت رکھے، روزنامہ منصف جمعہ ایڈیشن میں ''شمع فروزاں'' کے عنوان سے مقبول کالم نگار ہیں۔

(۲) مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب: کئی کتابوں کے مصنف، بہترین خطیب، نہایت خوش وضع، بڑے خلیق وملنسار، شعروادب کا ستھرا ذوق رکھنے والے، بہترین اسلوب تحریر اور ادیبانہ طرز نگارش کے مالک تھے، چند برس پہلے انتقال کر گئے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے، دکن کے کثیر الاشاعت اردو اخبار ''روز نامہ سیاست'' میں ادبی صفحات اور ''سوال وجواب'' کے عنوان سے مستقل کالم نگار تھے۔

(۳) مولانا احمد عبدالمجیب قاسمی ندوی عربی زبان وادب کے رمز شناس، انگریزی زبان پر بھی قدرت، تدریس میں اپنی مثال آپ، عرب مہمانوں کی آمد پر دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں نظامت کے فرائض انجام دیتے تھے، فی الحال امریکہ میں رہائش پذیر ہیں، دعوتی اور تحریکی ذہن رکھتے ہیں۔

ہمارا قیام حیدرآباد میں دوسال رہا، اہل دکن کی بود وباش، ان کی نشست وبرخاست اور ان کی تہذیب وثقافت میں عظمت رفتہ کے نقوش کی کچھ جھلکیاں اب بھی دکھائی دیتی ہیں۔

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی کی معرفت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب حضرت مولانا محمد سلمان صاحب، حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب مرحوم، نے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے لیے بلالیا، مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی بہ نفس نفیس دیوبند تشریف لے گئے، اور مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب سے اس سلسلہ میں مشورہ کرکے گزارش کی کہ جیسے بھی ممکن ہو آپ مولانا کو آمادہ کریں۔

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ملت اسلامیہ ہند کے دلوں کی دھڑکن، علماء مظاہر علوم سہارنپور کی

خدمات بے مثال، حدیث پاک کی تفہیم وتشریح اوراس کی ترویج واشاعت میں اس کا اہم کردار، بذل المجہود فی حل سنن ابی داود مصنفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، اُوجز المسالک الی موطأ مالک، الابواب والتراجم مصنفہ حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ اور الیواقت الغالیہ فی تحقیق الأحادیث العالیہ مصنفہ مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہم جیسی شاہکار تصانیف علماء مظاہر علوم کا بیش قیمت علمی سرمایہ ہیں۔ جنگ آزادی میں جہاں کے علماء کے سرفروشانہ کارناموں کو رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جاسکتا، یہاں کی مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ جامعہ میں ایک شعبۂ تخصص فی الحدیث قائم کیا جائے، اوراس کے لیے نہایت منفرد مقام رکھنے والے متون حدیث اور ماہر اسماء الرجال اور دیگر علوم وفنون پر کامل دستگاہ رکھنے والے بالغ نظر عالم دین، حضرت مولانا زین العابدین اعظمی معروفی پرنظرانتخاب جاکرٹھہرگئی، اخیرعمر میں والدصاحب جس طرح کا علمی کام کرنا چاہتے تھے، مظاہر علوم کی فضااس کے لیے سازگار معلوم ہوئی؛ چنانچہ والدصاحب یہاں کے لیے آمادہ ہوگئے۔

۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵ء میں اس شعبہ کا یہاں پر قیام عمل میں آیا، وہ دن ہے اور آج کا دن اس اٹھارہ سال پر محیط عرصہ میں بے شمار اہل علم یہاں سے فیض یاب ہوکر ملک کے طول وعرض میں پھیلتے چلے گئے، والدصاحب علیہ الرحمہ نے شبانہ روز محنت کرکے نوخیزوں کی صلاحیتوں میں چار چاند لگادئے، ان کے شاگرد، ان کے اردگرد پروانوں کی طرح منڈلاتے رہے اور اپنی فدائیت اور جاں نثاری کا ثبوت دیتے رہے، جن کی تعداد ایک سو کے قریب پہنچ چکی ہے، جو درحقیقت کیفیت کے اعتبار سے ہزاروں علماء وفضلاء پر بھاری ہیں، اختصاص فی الحدیث کرنے والوں کی کثرت سے علم حدیث اورفن اسماء الرجال میں بہت سارے لوگوں کی اجارہ داری ختم ہوگئی، آج کا ایک نوجوان فاضل کسی ادارے کے کبیرالسن شیخ الحدیث کی آنکھ میں آنکھ ملاکر بات کرسکتا ہے، یہاں کے چند برسوں کے بعداز ہر ہند دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے جب تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم کیا، الحمدللہ دونوں جگہوں سے کام کے افراد بڑی تیزی سے نکل رہے ہیں، علماء کی کھیپ کی کھیپ ترقیات کی راہ پرگامزن ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب کونفس وشیطان کے دھوکے سے بچاکر پورے اخلاص کے ساتھ علم وعمل اورتحقیقات وتصنیفات کے میدان میں آگے قدم بڑھانے کی توفیق بخشے۔ آمین

اس شعبہ کے فیض یافتگان میں حضرت مولانا مفتی عبداللہ معروفی صاحب استاذ شعبہ

تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد حسین بنگلا دیشی، مولانا عابد الرحمٰن بنگلا دیشی، مولانا حفظ الرحمٰن گلبرگہ، مولانا امان اللہ سرلانکی، مولانا صغیر احمد پرتاب گڈھی، ملک اور بیرون ملک کے مختلف اداروں میں علم حدیث کی خدمات میں مصروف ہیں اور خود جامعہ مظاہر علوم میں مولانا محمد خالد سعید مبارک پوری، مولانا محمد معاویہ گورکھپوری، مولانا عبد العظیم بلیاوی، مولانا محمد یوسف گجراتی شعبۂ تخصص فی الحدیث میں اہم تدریسی و تحقیقی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

❁ ❁ ❁

جذباتِ دل

فروح وریحان وجنات نعیم

۱۴۳۴ھ

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

اف کس کے سوگ میں ہے مری چشم اشک بار
یہ کس کے غم میں ہیں مرے قلب جگر فگار

بے چین و بے قرار ہوں آتا نہیں قرار
بزم جہاں سے اٹھ گیا یکتائے روزگار

دل کا ہرایک زخم عیاں ہوگیا ہے آج
یہ کون زیر خاک نہاں ہوگیا ہے آج

سونی سی ہوگئی ہے مرے دل کی انجمن
دوہے غمِ فراق کے ہونٹوں پہ نغمہ زن

دنیائے علم وفن تھی تری ضو سے ضوفگن
تحقیق وجستجو میں رہا کرتا تھا مگن

سب پوچھتے ہیں دل کا سہارا کہاں گیا
جو زیب چرخ تھا وہ ستارا کہاں گیا

امرت کو پی کے جامۂ ہستی دیا اتار
باغ بہشت کی ہو میسر تجھے بہار

بوئے وفا سے اب بھی زمانہ ہے مشکبار
تھی سرزمینِ علم ترے دم سے لالہ زار

آہستہ برگِ گل بہ فشاں بر مزار او
بس نازک است شیشۂ دل درکنار او

علم حدیث پاک کا دیوانہ چل بسا
روشن تھی جس سے شمع وہ پروانہ چل بسا

ویراں ہے میکدہ خم وپیمانہ چل بسا
جو نازش چمن تھا وہ مستانہ چل بسا

کچھ داغہائے دل ہیں نہاں اندرون دل
وجہ نشاط باعث راحت سکون دل

نالوں کو جوڑ دے مرے یارب! اثر کے ساتھ
پرواز بخش! بھیگے ہوئے بال وپر کے ساتھ

وابستہ میں رہوں گا یونہی تیرے در کے ساتھ
ہو علم و آگہی بھی عطا چشم تر کے ساتھ

آباد تیری یاد سے دل کا چمن رہے
آجائے صبر دل میں نہ رنج ومحن رہے

یاقوت ولعل وگوہر نایاب اس کی ذات
طارقؔ متاع فکر ونظر اس کی بات بات

وہ نازش چمن تھا وہی رشک کائنات
افسوس خشک ہوگیا سرچشمۂ حیات

نالہ دہائی دینے کو پہونچا ہے عرش پر
نعم البدل کی آج ضرورت ہے فرش پر

واردات قلب

حیف استاذ العلماء رفت

۲۰۱۳ء

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

علم سے سرشار تھے مولانا زین العابدیں
اک دُرِ شہوار تھے مولانا زین العابدیں

جی بہل جاتا تھا ان کی انجمن میں ہم نفس
مونس وغم خوار تھے مولانا زین العابدیں

اتباع سنت نبوی میں گذری تھی حیات
کس قدر دیں دار تھے مولانا زین العابدیں

ہم نے اس دنیا میں ان سا دوسرا دیکھا نہیں
کتنے خوش گفتار تھے مولانا زین العابدیں

رہروِ راہِ طریقت پیکر صدق وصفا
صاحب دستار تھے مولانا زین العابدیں

سچ تو یہ ہے آپ ہی سے آبرو تھی علم کی
علم سے ضو بار تھے مولانا زین العابدیں

اجنبیت کا کبھی احساس بھی ہوتا نہ تھا
کتنے خوش اطوار تھے مولانا زین العابدیں

مرتے دم بھی ان کے چہرے پر نہ تھی پژمردگی
شوق میں سرشار تھے مولانا زین العابدیں

مسکرا کر چل دیے آیا جو پیغام اجل
واقعی تیار تھے مولانا زین العابدیں

عصمت ازواج واصحابِ پیمبر کے لیے
آہنی دیوار تھے مولانا زین العابدیں

بخش دے ان کو مرے مولا مرے پروردگار
علم کا مینار تھے مولانا زین العابدیں

یہ زمانہ تا قیامت آپ کی دے گا مثال
ایسا اک کردار تھے مولانا زین العابدیں

جو بھی جاتا تھا اسے محسوس تک ہوتا نہ تھا
کس قدر بیمار تھے مولانا زین العابدیں

بے نیازی اور استغنا کی خوگر ان کی ذات
کس قدر خوددار تھے مولانا زین العابدیں

شاعر آتش نوا کہتا ہے یارب رحم کر
عاشق سرکار تھے مولانا زین العابدیں

طارقؔ خستہ کا پہونچے ان کی خدمت میں سلام
وارث دین نبی تھے وہ زمانے کے امام